جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

اسم الكتاب : .... اصول الحدیث فی حدیث الرسول

....

تأليف : .... فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع :............................

....

الثانى سنة ١٤٤٦هـ

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شانرے باجور باكستان

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدلله الذى لا تتم الصالحات الا برضاه فبه نستعينو ولامستعان من سواه ولا يعين احد من استعنه الاالتراب يملأ فاه والصلاة والسلام على محمد الذى على العالمين اصطفاه واختاره للمعراج فأسراه فمن سلك طريقه تقيده تقواه والعاند مكدوس لاينفعه قواه

امابعد

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے بندوں کے امتحان کے لیے ان کو مختلف آزمائشوں سے دوچار کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کوئی نعمت ہی اس کے بندوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے' جیسا کہ مال اور اولاد کے بارے میں قرآن میں مذکور ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ سے علومِ حدیث و سنت کے احیاء کی جو تحریک شروع ہوئی تھی وہ مختلف اَدوار سے گزرتی رہی۔ اسی تحریک کی وجہ سے علماء نے حدیث' تاریخ اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے متعلقہ سینکڑوں کتب کے تراجم کیے تاکہ عامۃ الناس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث' سیرت' حیاتِ صحابہؓ اور تاریخ اسلام سے واقف ہو سکیں۔ بلاشبہ علماء کا یہ کام ایک علمی اور نفع بخش کام تھا۔ لیکن جہاں ایک کام میں خیر کے پہلو ہوتے ہیں وہاں کچھ مفاسد بھی اس سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ مصادرِ اسلامیہ سے متعلق ان سینکڑوں کتب کے تراجم کا ایک بڑا نقصان جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سامنے آیا' وہ یہ ہے کہ عامۃ الناس میں بعض افراد نے ان مترجم کتب کے جزئی مطالعہ کے بعد اپنے آپ کو درجۂ اجتہاد و افتاء پر فائز سمجھا اور مفکر اسلام کی نشست سنبھالتے ہوئے اسلام کی چودہ صد سالہ علمی تاریخ و روایت کو کارِ عبث قرار دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث کے حوالے سے بھی معاصر معاشروں میں ہمیں سینکڑوں ایسے افکار و نظریات نظر آتے ہیں جو کہ راہِ اعتدال سے بہت دُور ہیں' مثلاً قادیانی' نیچری' پرویزی اور جماعت المسلمین وغیرہ۔ بعض مفکرین نے ایک انتہا پر جاتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی قسم کی تشریعی حیثیت ہی کو ماننے سے انکار کر دیا تو دوسری طرف ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جنہوں نے آپؐ کے ہر ہر قول اور فعل کو یکساں درجے کا سمجھ کر شریعت سمجھ لیا۔ اس مضمون میں ہمارے پیش نظر اِس وقت دوسرے گروہ کے افراد ہیں۔ یہ حضرات سنت کے مسئلے میں اُس غلو میں مبتلا ہیں جس سے آپؐ نے منع کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حج کے موقع پر فرمایا:

((وَاِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ' فَاِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ))(۱)

''دین میں غلو سے بچو۔ تم سے پہلی قومیں دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔''

امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح کہا ہے(۲)۔ امام نوویؒ نے بھی اس کو مسلم کی شرائط پر صحیح کہا ہے۔(۳) علامہ البانیؒ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے(۴)۔

ایک مثبت رویہ تو یہ ہے کہ ایک شخص اگر حدیث کی مترجم کتابوں سے استفادہ کرتا ہے اور اس دوران اسے کچھ اشکالات پیش آتے ہیں تو وہ﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ کے قرآنی حکم کے مطابق علماء سے رجوع کر کے ان سے رہنمائی حاصل کرے۔ اگر معاصر علماء سے وہ مطمئن نہیں ہے تو ٹھوس علمی بنیادوں پر علومِ اسلامیہ کی تعلیم حاصل کرے۔ قرآن، حدیث' فقہ المقارن' اصول فقہ' اصول حدیث' اصول تفسیر' عقیدہ' علومِ بلاغت اور علومِ لغت وغیرہ میں پختگی حاصل کرے اور عربی زبان میں موجود ائمہ سلف کے علمی ذخیرے سے براہِ راست استفادہ کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان بنیادی دینی علوم سے ناواقف ہو اور پھر بھی دین کے معاملات میں اپنی رائے پیش کرے تو ایسے شخص کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھا لیں اور لوگوں کی صورت حال یہ ہو گی:

((اِتَّخَذَ النَّاسُ رَءُ وْسًا جُھَّالًا ' فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ ' فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا))(۵)

''لوگ جہلاء کو اپنا بڑا بنالیں گے اور ان جاہلوں سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

یہ اسی زمانے کی علامات ہیں کہ علماء کو اللہ سبحانہ' و تعالیٰ اٹھا رہے ہیں اور ترجمہ شدہ کتابوں کا جزئی طور پر مطالعہ کرنے والے فتوے جاری کرنے لگے ہیں۔ علم دین کے حصول میں سند اور استاد کی کیا اہمیت ہے' اس کی اِن شاء اللہ ایک مستقل مضمون میں وضاحت کروں گا۔ فی الحال اصل مقصود اس فکر کا جائزہ لینا ہے کہ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر قول اور فعل سنت ہے یا نہیں؟

اہل سنت کے ہاں' سنت' کی تعریف

سنت کا لغوی معنی 'راستہ' یا 'طریقہ' ہے۔ ابن منظور الافریقیؒ لکھتے ہیں:

والسنة السیرة حسنة کانت أو قبیحة۔۔۔وفی الحدیث: ((مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً۔۔۔)) یرید من عملها لیقتدی به فیها وکل من ابتدأ أمرا عمل به قوم بعده قیل هو الذی سنه(۶)

''سنت سے مراد طریقہ ہے' چاہے اچھا ہو یا برا ہو۔۔۔اور حدیث میں ہے کہ ''جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جس نے اس (طریقے) پر عمل کیا تو اس (جاری کرنے والے) کے لیے بھی اس کا اجر ہے۔ اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا...'' مراد یہ ہے کہ جس نے اس برے طریقے پر عمل کیا تاکہ اس (طریقے) میں اس کی پیروی کی جائے' اور ہر وہ شخص جو کہ پہلی مرتبہ کوئی کام کرتا ہے اور اس کے بعد آنے والوں نے اس پر عمل کیا تو کہا گیا ہے کہ اس نے اسے جاری کیا''۔

علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں:

والسنة السیرة حسنة کانت أو قبیحة' وقال الأزهری السنة الطریقة المحمودة المستقیمة' ولذلک قیل فلان من أهل السنة' معناه من أهل الطریقة المستقیمة المحمودة(۷)

''سنت سے مراد طریقہ ہے چاہے اچھا ہو یا برا' جبکہ علامہ ازہریؒ کا قول یہ ہے کہ سنت سے مراد پسندیدہ اور سیدھا راستہ ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص 'اہل سنت' میں سے ہے' یعنی سیدھے اور پسندیدہ رستے پر ہے۔'' علامہ ابن الاثیر الجزریؒ فرماتے ہیں:

والأصل فیها الطریقة و السیرة۔۔۔ وفی حدیث المجوس: ((سُنُّوْا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْکِتَابِ)) أی خذوهم علی طریقهم و أجروهم فی قبول الجزیة منهم مجراهم(۸)

''اس کا اصل معنی طریقہ اور رستہ ہے... مجوس کے بارے میں آپؐ کی حدیث کے الفاظ ہیں:''ان کے بارے میں اہل کتاب کی سنت (طریقہ) جاری کرو'' یعنی ان سے بھی اہل کتاب کی طرح جزیہ وصول کرو۔''

امام راغبؒ لکھتے ہیں:

وسنة النبی صلی اللہ علیه وسلم طریقته التی کان یتحراها(۹)

''سنت نبویؐ سے مراد آپؐ کا وہ طریقہ ہے کہ جس کا آپؐ قصد کرتے تھے۔''

(قصد سے امام راغبؒ کی یہاں پر مراد قربِ الٰہی کا قصد ہے' جیسا کہ بعض اصولیین نے اس کی وضاحت کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو بھی کام آپؐ نے قربِ الٰہی کے قصد و ارادے سے کیا ہو وہ سنت ہے۔)

امام ابن فارسؒ لکھتے ہیں:

السنة و هی السیرة و سنة رسول اللہ سیرته(۱۰)

''سنت کا معنی طریقہ ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپؐ کا طریقہ ہے۔''

سنت کا اصطلاحی مفہوم

فقہاء' اصولیین' محدثین اور علمائے متکلمین نے سنت کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ان علماء کا سنت کی تعریف میں یہ اختلاف' اختلافِ تضاد نہیں ہے بلکہ تنوع کا اختلاف ہے۔ علماء کی ہر جماعت نے اپنے میدان' موضوع اور اس کے دائرہ کار کے اعتبار سے سنت کی تعریف کی ہے اور ان میں ہر جماعت دوسری جماعت کی سنت کی تعریف کو بھی مانتی اور قبول کرتی ہے۔

متکلمین کے نزدیک سنت کا مفہوم

علم عقیدہ اور علم فقہ میں سنت کا لفظ بدعت کے بالمقابل بولا جاتا ہے۔ لہٰذا عقائد و فقہ کی کتب میں جب بعض اوقات یہ بات کہی جاتی ہے کہ ''یہ عمل سنت ہے'' تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ بدعت نہیں ہے۔ اسی لیے 'اہل سنت' کا لفظ 'اہل بدعت' کا متضاد ہے اور اہل سنت سے مراد وہ جماعت ہے جو کہ اہل بدعت نہیں ہیں۔ الدکتور وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

وقد تطلق علی ما یقابل البدعة کقولهم: فلان من أهل السنة(۱۱)

''اور بعض اوقات (سنت) کا لفظ بدعت کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ علماء کہتے ہیں فلاں شخص اہل سنت میں سے ہے۔'' اہل سنت کا لفظ اہل بدعت مثلاً معتزلہ' جہمیہ' خوارج' مرجئہ' شیعہ' جبریہ، مووولہ، مجسمہ اور قدریہ وغیرہ کے بالمقابل عقیدے کی ایک اصطلاح ہے۔

فقہاء کے نزدیک سنت کی تعریف

علم الفقہ میں سنت کا لفظ فرض کے بالمقابل استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب فقہاء کسی فعل کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ فرض نہیں ہے۔ الدکتور وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

والسنة عند الفقهاء: هي ما يقابل الواجب من العبادات(١٢)

''فقہاء کے نزدیک سنت سے مراد وہ چیز ہے جو کہ عبادات سے متعلق ہو اور واجب (یعنی فرض)

نہ ہو۔''

عام طور پر اس سنت (یعنی جو فرض نہیں ہے) کو مندوب بھی کہتے ہیں۔ الدکتور عبد الکریم زیدان 'مندوب' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
والمندوب: المدعو إليه... وفي الاصطلاح: هو ما طلب الشارع فعله من غير الزام' بحيث يمدح فاعله و يثاب' ولا يذم تاركه' ولا يعاقب' وقد يلحقه اللوم والعتاب على ترك بعض أنواع المندوب... والمندوب يسمى أيضاً: السنة' والنافلة' والمستحب' والتطوع' والاحسان' والفضيلة(١٣)

''مندوب کا لغوی معنی ہے جس کی طرف بلایا جائے۔۔۔ اور اصطلاحی معنی میں ہر اُس کام کو مندوب کہیں گے جس کے کرنے کا شارع نے مطالبہ کیا ہو' لیکن اس کو لازم نہ ٹھہرایا ہو۔ جو شخص یہ کام کرے گا وہ قابل تعریف ہو گا اور اس کو ثواب بھی ملے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مندوب کو چھوڑ دے گا تو نہ تو اس کو ملامت کی جائے گی اور نہ ہی اس کو سزا دی جائے گی۔ تاہم مندوب کی بعض قسمیں ایسی ہیں کہ جن کے چھوڑنے پر ملامت بھی کی جائے گی اور سزا بھی ہو گی... مندوب کو علماء کے ہاں سنت' نفل' مستحب' تطوع' احسان اور فضیلت بھی کہتے ہیں۔'' فقہاء نے عام طور پر مندوب کو تین طرح سے تقسیم کیا ہے اور ہر قسم کا الگ الگ حکم بھی بیان کیا ہے۔ مندوب کی پہلی قسم 'سنت مؤکدہ' کہلاتی ہے۔ الدکتور عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں:
والمندوب ليس نوعا واحدا' بل هو على مراتب: فأعلاها ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم ولم يتركه إلا نادرا' و منه: صلاة ركعتين قبل فريضة الفجر' فهذه تسمى: سنة مؤكدة' يلام تاركها و لا يعاقب(١٤)

''مندوب کی ایک قسم نہیں ہے' بلکہ اس کی کئی اقسام ہیں۔ مندوب کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت کی ہو اور اس کو شاذ و نادر ہی کبھی ترک کیا ہو۔ اس کی مثال فجر کی فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا ہے۔ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ اس کے چھوڑنے والے کو ملامت کی جائے گی لیکن اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔''

مندوب کی دوسری قسم 'سنت غیر موکدہ' کہلاتی ہے۔ الدکتور وھبہ الزحیلی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتےہیں:

وفاعله يثاب و تاركه لا يستحق عقابا ولا عتابا ولا لوما' كالأمور التى لم يواظب عليها الرسول صلى الله عليه وسلم ' وإنما فعلها مرة أو أكثر وتركه' مثل صلاة أربع ركعات قبل صلاة العشاء . . . و يسمى هذا الفعل فضلا أو مستحبا(۱۵)

''اس پر عمل کرنے والے کو ثواب ہو گا اور اس پر عمل نہ کرنے والے کو نہ تو ملامت کی جائے گی اور نہ ہی دنیا و آخرت میں کوئی سزا ہو گی۔ یہ وہ فعل ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یا ایک سے زائد مرتبہ کیا ہو اور اسے ترک بھی کیا ہو 'مثلاً نماز عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھنا...اس قسم کو فضل یا مستحب بھی کہتے ہیں۔'' مندوب کی تیسری قسم 'مندوب زائدہ' یا 'عادت' کہلاتی ہے۔ اس کو بعض علماء 'سنت زائدہ' بھی کہہ دیتے ہیں۔ الدکتور وھبہ الزحیلی اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مندوب زائد:أى من الكماليات للمكلف' كالأمور العادية التى فعلها الرسول صلى الله عليه وسلم بحسب العادة' كالاقتداء بأكل الرسول و شربه و اتباع طريقته فى مشيه و نو مه و لبسه ونحو ذلک . . . و يسمى هذا القسم سنة زوائد و مستحبا و أدبا و فضيلة وحكمه كما يلاحظ أن تاركه لا يستحق اللوم و العتاب' و فاعله يستحق الثواب إذا قصد به الاقتداء بالرسول صلى الله عليه وسلم (۱۶) ''مندوب کی تیسری قسم 'مندوب زائد' ہے جو کہ مکلف کے کمال سے متعلق ہے۔ اس کی مثال وہ عادی امور ہیں جن کو آپؐ نے حسب عادت کیا۔ مثلاً آپؐ کے کھانے' پینے اور آپؐ کے چلنے' سونے اور پہننے کے طریقوں وغیرہ میں آپؐ کی پیروی کرنا...اس قسم کو سنت زائدہ' مستحب' ادب اور فضیلت بھی کہتے ہیں۔ مندوب کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک کرنے والے کو نہ ہی ملامت کی جائے گی اور نہ ہی سزا دی جائے گی اور اس پر عمل کرنے والے کو اس کا ثواب ملے گا بشرطیکہ اس کی نیت آپؐ کی اقتداء کی ہو۔'' مندوب زائد کو سنت زائدہ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ سنت دین نہیں ہے 'بلکہ دین سے زائد ہے' لیکن اگر پھر بھی کوئی شخص آپؐ کی اتباع کی نیت سے اس پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ آپؐ سے محبت کے اس جذبے پر اسے اجر و ثواب دیں گے۔ سنت زائدہ کو دین یا شریعت اسلامیہ کا جزو سمجھنا جہالت اور غلو فی السنۃ ہے۔ مندوب زائد یا سنتِ زائدہ یا آپؐ کے عادی اُمور جو کہ آپؐ نے بشری تقاضوں کے تحت سر انجام دیے' دین اسلام کا حصہ نہیں ہیں۔ آگے چل کر احادیث کے حوالے سے ہم اس موضوع پر مفصل بحث کریں گے۔ الدکتور عبد لکریم زیدان لکھتے ہیں:

أنها ليست من أمور الدين' ولم تجر مجرى العبادات' ولكن مجرى العادات(۱۷)

''سنت زائدہ امور دین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی سنت کی یہ قسم عبادت کے طور پر جاری ہوئی ہے' بلکہ یہ عادت کے طور پر جاری ہوئی ہے۔''

محدثین کے ہاں سنت کی تعریف

محدثین کے نزدیک سنت اور حدیث قریباً مترادف ہیں۔ سنت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال' تقریرات اور پیدائشی و اکتسابی اوصاف کا نام ہے۔ جبکہ ان چاروں چیزوں کی آپؐ کی طرف نسبت حدیث کہلاتی ہے۔ یعنی آپؐ کے کسی قول' فعل' تقریر یا صفت کو جب کوئی صحابیؓ

اللہ کے رسول کی طرف منسوب کرتا ہے تو صحابیؓ کی آپؐ کی طرف اس نسبت کو حدیث کہتے ہیں۔ سنت اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ' افعال ' تقریرات اور اوصاف کا نام ہے تو حدیث اس کی روایت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سنت اور حدیث میں کچھ فرق نہیں ہے۔ حدیث میں آپؐ کے اقوال ' افعال ' تقریرات اور اوصاف کے حوالے سے جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی امہات الکتب میں سے اکثر کے نام سنن سے شروع ہوتے ہیں 'مثلاً سنن ابی داؤد 'سنن نسائی 'سنن ابن ماجہ وغیرہ۔ سنت اور حدیث میں ایک فرق یہ ہے کہ حدیث کا لفظ سنت کی نسبت عام ہے 'کیونکہ حدیث کا مقصود آپؐ کی زندگی سے متعلق جمیع حالات ' واقعات ' اقوال اور افعال وغیرہ کو جمع کرنا ہے چاہے وہ بعثت سے پہلے آپؐ سے صادر ہوں یا بعثت کے بعد ہوں۔ جبکہ سنت صرف آپؐ کے ان اقوال و افعال و تقریرات وغیرہ پر مشتمل ہو گی جو کہ آپؐ سے بطور شریعت صادر ہوں۔ اس پہلو سے غالب وصف کا اعتبار کرتے ہوئے احادیث کی کتب کو سنن کہا گیا ہے۔ الدکتور حمزۃ الملیباری سنت و حدیث کے اس باریک فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

السنة فی الاصطلاح ما هو عن رسول الله صلی الله علیه وسلم علی وجه التشریع من قول أو فعل أو تقریر أو صفة خلقیة من مبدأ بعثته إلی وفاته' الحدیث النبوی ما أضیف إلی النبی صلی الله علیه وسلم من قول أو فعل أو تقریر أو صفة خلقیة أو خلقیة سواء قبل البعثة أم بعدها سواء صدر علی وجه التشریع أم لا و یطلق تجوزا علی ما أضیف إلی الصحابة والتابعین وعلیه یکون الحدیث أعم من السنة فأن السنة لا تشمل إلا ما صدر عن النبی صلی الله علیه وسلم علی وجه التشریع(۱۸)

''اصطلاح میں سنت سے مراد ہر وہ قول یا فعل یا تقریر یا اکتسابی وصف ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

آپؐ کی بعثت کے بعد سے لے کر وفات تک کے دورانیے میں بطور شریعت صادر ہوا ہو۔ جبکہ حدیث نبویؐ سے مراد ہر وہ قول ' فعل ' تقریر ' پیدائشی یا اکتسابی وصف ہے کہ جس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو 'چاہے یہ بعثت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو 'چاہے بطور شریعت صادر ہوا ہو یا شریعت نہ ہو۔ مجازاً اس کا اطلاق صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال ' افعال ' تقریرات اور اوصاف پر بھی ہو جاتا ہے۔ پس اس پہلو سے حدیث ' سنت کی نسبت عام ہے 'کیونکہ سنت سے مراد صرف وہی امور ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطورِ شریعت صادر ہوئے ہوں۔''

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر حدیث شریعت نہیں ہے۔ مثلاً وہ احادیث جو آپؐ کی نبوت سے ماقبل کی زندگی کے حالات و افعال پر مشتمل ہیں یا آپؐ کے پیدائشی اوصاف کو بیان کرنے والی ہیں وغیرہ۔ جن احادیث کا تعلق شریعت سے ہے وہ سنت ہیں۔ اسی لیے جب بھی شریعتِ اسلامیہ کے مصادر کی بات کی جاتی ہے تو قرآن و سنت کہا جاتا ہے نہ کہ قرآن و حدیث۔ دوسری اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول یا فعل سنت نہیں ہے بلکہ وہی اقوال وافعال سنن ہیں جو کہ بطور شریعت آپؐ سے صادر ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر ہم آگے چل کر مفصل بحث کریں گے۔

اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف

اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف میں الدکتور عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

وفی اصطلاح الأصولیین' السنة: ما صدر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ' غیر القرآن' من قول أو فعل أو تقریر ' فھی بھذا الاعتبار دلیل من أدلة الأحکام ' و مصدر من مصادر التشریع(۱۹)

''اصولیین کی اصطلاح میں قرآن کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی اقوال' افعال اور تقریرات صادر ہوئی ہیں وہ سنت ہیں۔ پس سنت اس اعتبار سے ادلہ ٔاحکام میں سے ایک دلیل ہے اور مصادر شریعت میں سے ایک مصدر ہے۔'' اصولیین کا اصل موضوع یہ ہے کہ کیا چیز شریعت ہے اور کیا چیز شریعت نہیں ہے۔ اس لیے اصولیین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو سنت کی تعریف میں شامل نہیں کیا' کیونکہ اصولیین کے نزدیک آپؐ کے پیدائشی یا اکتسابی اوصاف سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا' جبکہ محدثین کے نزدیک آپؐ کے اکتسابی اوصاف سے بھی کوئی شرعی حکم نکل سکتا ہے' لہٰذا انہوں نے اکتسابی اوصاف کو بھی سنت کی تعریف میں داخل کر دیا ہے۔ فقہاء کے مختلف طبقات نے مختلف پہلوؤں سے سنت کے معنی و مفہوم پر روشنی ڈالی ہے اور اِن معانی میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' کوئی تضاد نہیں۔ فقہاء' محدثین اور اصولیین کے نزدیک سنت کا اطلاق صرف انہی امور پر ہو گا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور شریعت صادر ہوئے ہیں۔

ہمارے بعض دوستوں کا یہ خیال ہے' جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں' کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل سنت ہے' لہٰذا اس کی پیروی کرنی چاہیے' کیونکہ قرآن میں ہمیں آپؐ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور فعل سنت ہے اور ہمارے لیے قابل تقلید نمونہ ہے؟ ہم اس سوال کا جواب براہ راست احادیث' صحابہؓ اور تابعینؒ کے طرز عمل میں تلاش کریں گے۔ ہم یہاں پر محدثین اور اصولیین کی اصطلاح کے اعتبار سے اپنی بحث کو آگے بڑھائیں گے اور یہ واضح کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال اور تقریرات وغیرہ میں کیا سنت (یعنی شریعت) ہے اور کیا سنت (یعنی شریعت) نہیں ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حیثیت سے اصولی طور پر یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول شریعت ہے بشرطیکہ وہ تشریع کے لیے آپؐ سے صادر ہوا ہو۔ کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلاَّ وَحْيٌ يُّوْحٰى.﴾ (النجم)

''اور وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے۔ (اور جو بھی وہ کلام کرتے ہیں) وہ وحی ہی ہوتی ہے جو کہ وحی کی جاتی ہے۔''
حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

کُنْتُ اَکْتُبُ کُلَّ شَیْئٍ اَسْمَعُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اُرِیْدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِیْ قُرَیْشٌ وَقَالُوْا اَتَکْتُبُ کُلَّ شَیْئٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَشَرٌ یَتَکَلَّمُ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا ' فَاَمْسَکْتُ عَنِ الْکِتَابِ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِهٖ إِلٰی فِیْهِ فَقَالَ: ((اُکْتُبْ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا یَخْرُجُ مِنْهُ إِلاَّ حَقٌّ))(۲۰)

''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات لکھا کرتا تھا جس کو یاد رکھنے کا میرا ارادہ ہوتا تھا تو قریش کے بعض افراد نے مجھے ہر بات لکھنے سے منع کیا اور کہا: کیا جو بھی تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو' اسے لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک بشر ہیں' بعض اوقات آپؐ ناراضگی میں کلام فرماتے ہیں اور بعض اوقات رضامندی کی حالت میں۔ (حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ) میں ان صحابہؓ کی یہ بات سن کر اپنے اس فعل سے رک گیا' لیکن میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: '' لکھو! اللہ کی قسم اِس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔'' امام ابن حجرؒ نے اس حدیث کو قابل احتجاج قرار دیا ہے۔ (۲۱) علامہ البانیؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (۲۲) قرآن کی مذکورہ بالا آیت اور اس قسم کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام بھی شرع بیان کرنے کے لیے کیا ہے وہ حق ہے' حجت ہے' وحی ہے اور قابل اتباع ہے۔

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول کسی شرعی حکم کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہوتا تھا۔ بعض اوقات آپؐ ہماری طرح دنیاوی اُمور میں بھی گفتگو کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام کسی شرعی حکم کے استنباط کے لیے مصدر کی حیثیت نہیں رکھتا ہے۔ الدکتور عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں:

وأقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم إنما تکون مصدرا للتشریع' إذا کان المقصود بھا بیان الأحکام أو تشریعھا' أما إذا کانت فی أمور دنیویة بحتہ لا علاقة لھا بالتشریع' ولا مبنیة علی الوحی' فلا تکون دلیلا من أدلة الأحکام' و لا مصدرا تستنبط منہ الأحکام الشرعیة' و لا یلزم اتباعھا' ومن ذلک ما روی: أنہ علیہ السلام رأی قوما فی المدینة یؤبرون النخل' فأشار علیھم بترکہ' ففسد الثمر' فقال لھم: ((اَبِّرُوْا' اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِأُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ))(۲۳)

''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال صرف اُس وقت مصدرِ شریعت ہوں گے جب ان سے آپؐ کا مقصود احکامِ شرعیہ کو بیان کرنا ہو۔ لیکن اگر آپؐ نے بعض دنیاوی امور کے بارے میں کچھ گفتگو ایسی فرمائی جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کلام احکام شرعیہ کے لیے کوئی دلیل نہیں بنے گا اور نہ ہی وہ مصدر شریعت ہو گا کہ جس سے احکام نکالے جائیں' اور نہ ہی آپؐ کے ایسے اقوال کی پیروی لازمی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ نر کھجور کے ساتھ مادہ کھجور کی پیوند کاری کرتے تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو ایسا کرنے سے اشارتاً منع کر دیا جس کی وجہ سے اگلی فصل کم ہوئی تو آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ: ''پیوند کاری کرو' کیونکہ دنیاوی امور کو تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔'' اس موضوع پر کہ ''آپؐ کا ہر قول ہمارے لیے شریعت نہیں ہے'' شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب' حجۃ اللہ البالغۃ' میں' المبحث السابع: مبحث استنباط الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کے تحت مختصر لیکن بہت عمدہ بحث کی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک آپؐ کے وہ اقوال جو تبلیغِ رسالت کے باب سے نہیں ہیں (یعنی دنیاوی امور سے متعلق ہیں)' بعض حضرات کے مناقب

سے متعلق اقوال' طب سے متعلق بعض اقوال' آپؐ کے دور میں کسی جزئی مصلحت کے حصول کے لیے آپؐ کے جاری کردہ احکامات' آپؐ کے عادی امور' آپؐ کے فیصلے (یعنی قضاء) اور آپؐ کے بعض احکامات کا آپؐ کی قوم کے بعض لوگوں کے لیے خاص ہونا وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اس موقف کی دلیل کے طور پر کہ آپؐ کا ہر قول ہمارے لیے شریعت نہیں ہے' ایک حدیث کو بیان کیا ہے۔ حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؒ سے روایت ہے:

دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا حَدِّثْنَا بَعْضَ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ وَمَا أُحَدِّثُکُمْ؟ کُنْتُ جَارَہٗ فَکَانَ إِذَا نَزَلَ الْوَحْیُ أَرْسَلَ إِلَیَّ فَکَتَبْتُ الْوَحْیَ وَکَانَ إِذَا ذَکَرْنَا الْآخِرَۃَ ذَکَرَھَا مَعَنَا وَإِذَا ذَکَرْنَا الدُّنْیَا ذَکَرَھَا مَعَنَا وَإِذَا ذَکَرْنَا الطَّعَامَ ذَکَرَہُ مَعَنَا' فَکُلُّ ھٰذَا أُحَدِّثُکُمْ عَنْہُ؟(۲۴)

''لوگوں کی ایک جماعت حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس آئی اور انہوں نے کہا: آپ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض حدیثیں بیان کریں' تو حضرت زیدؓ نے کہا: میں تمہارے سامنے کون سی حدیثیں بیان کروں؟ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتا تھا۔ پس جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپؐ مجھے بلوا لیتے اور میں اس وحی کو لکھ لیتا تھا اور (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ یہ تھا کہ) جب ہم آخرت کا تذکرہ کرتے تو آپؐ' بھی ہمارے ساتھ آخرت کی باتیں کرتے تھے اور جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپؐ' بھی ہمارے ساتھ دنیا کی باتیں کرنے لگتے' اور جب ہم کھانے پینے کے بارے میں گفتگو کرتے تو آپؐ' بھی ہمارے ساتھ کھانے پینے کی باتوں میں شریک ہو جاتے۔ پس کیا میں یہ سب حدیثیں تم سے بیان کروں؟'' امام ہیثمیؒ نے اس روایت کو 'حسن' کہا ہے۔(۲۵) امام ابن حجرؒ نے اس روایت کو 'حسن' کہا ہے۔(۲۶) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی اس روایت سے حجت پکڑی ہے۔ علامہ البانیؒ نے اس روایت کو 'ضعیف' کہا ہے(۲۷)۔ 'سنن البیہقی' کی ایک روایت میں 'أَوَکُلَّ ھٰذَا نُحَدِّثُکُمْ عَنْہُ'؟ کے الفاظ بھی ہیں۔ بعض اصحاب کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول پر عمل ضروری ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ قرآن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور آپؐ' کی اطاعت اُمت پر لازم ہے' لہٰذا جہاں بھی آپؐ کا کوئی قول آجائے تو اس پر عمل کرنا لازم ہو گا' کیونکہ آپؐ کے اقوال آپؐ' کی اطاعت میں داخل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا اور آپؐ کی اطاعت ہر اُمتی پر فرض ہے' لیکن کیا آپؐ کا ہر ہر قول اطاعت کی تعریف میں داخل ہے؟ اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو یہ موقف غلط ہے۔

اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی و مفہوم اور شرعی حکم

اطاعت سے کیا مراد ہے؟ معروف لغوی ابن سیدہؒ نے اطاعت کی تعریف 'لَانَ وَانْقَادَ' سے کی ہے' یعنی نرم و لچکدار ہونا اور تابع بننا۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مزاحمت (resistance) ترک کر کے کسی کی بات ماننا اور اس کا فرماں بردار ہونا اطاعت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت

عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپؐ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بلوا کر کہا: أَطِعْ أَبَاكَ یعنی مزاحمت ترک کر کے اپنے اندر لچک پیدا کر اور اپنے باپ کی بات مان لے۔ لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے مراد آپؐ کے مقابلے میں ہر قسم کی مزاحمت ترک کر کے آپؐ پر ایمان لانا اور آپؐ کی بات ماننا ہے۔ قرآن میں اطاعت کا لفظ کفار اور اہل ایمان دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے 'لیکن دونوں کے لیے اس کے معنی میں باریک فرق ہے۔ قرآن میں جب کفار' مشرکین' اہل کتاب اور منافقین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس سے مراد رسولؐ کے بالمقابل مزاحمت ترک کر کے ان پر ایمان لانے میں ان کی بات ماننا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح' حضرت صالح' حضرت ہود' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ 4﴾ (الشّعراء: ۱۰۸' ۱۱۰' ۱۲۶' ۱۳۱' ۱۴۴' ۱۵۰' ۱۶۳' ۱۷۹) کا حکم جاری کیا۔ ان آیات میں اطاعت سے مراد نبی پر ایمان لانے میں اس کی بات ماننا ہے 'کیونکہ ایک شخص رسول کو رسول مانتا ہی نہ ہو تو اس سے اس چیز کا مطالبہ کرنا کہ وہ رسول کے احکامات پر عمل کرے' عبث ہے 'اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی بھی رسول کی ایسی اطاعت کا منکر کافر ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران) میں اطاعت سے مراد رسول کے ایمان لانے کے مطالبے میں اس کی اطاعت ہے۔ امام سیوطیؒ نے 'تفسیر جلالین' میں اس آیت کی تقدیر عبارت یوں بیان کی ہے: 'قُلْ (لهم) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (فيما يأمركم به من التوحيد) فَاِنْ تَوَلَّوْا (أعرضوا عن الطاعة) فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ جمہور مفسرین امام ابن جریر طبری' امام رازی' امام قرطبی' امام بیضاوی' امام بغوی' امام ابن عطیہ' علامہ ابن جوزی' امام ابو حیان الاندلسی' علامہ آلوسی اور علامہ ابو بکر الجزائری رحمہم اللہ نے اپنی تفاسیر میں اس آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت مبارکہ نجران کے عیسائی وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ اللہ سے محبت کرنے کے دعوے دار تھے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے یہ آیت مبارکہ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ کا دعویٰ کیا ہے۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ان ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو صرف اللہ کی اطاعت کا دعویٰ کرتے تھے اور آپؐ کی اطاعت کے انکاری تھے۔ ہمارے خیال میں یہ تینوں ہی اس آیت کے شان نزول ہو سکتے ہیں اور اس کے مصداقات بنتے ہیں۔ اگر اس آیت میں اہل کتاب سے خطاب مراد لیا جائے' جیسا کہ جمہور مفسرین کی رائے ہے 'تو پھر 'فَاِنْ تَوَلَّوْا' سے مراد ان کا اللہ اور اس کے رسول کے مطالبۂ ایمان میں ان کی بات نہ ماننا ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کے مطالبے میں ان کی بات سے اعراض کرے تو ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص منافقین کی طرح صرف اللہ کی اطاعت کا قائل ہو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا مطلقاً انکاری ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مُطاع نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص بھی بلاشبہ دائرۂ اسلام سے خارج اور زندیق ہے۔ لیکن کیا یہ آیت مبارکہ اس شخص کو بھی کافر قرار دیتی ہے جو کہ مؤمن صادق ہے اور آپؐ کی اطاعت کو بھی اللہ کی اطاعت کی طرح فرض سمجھتا ہے لیکن بعض جزوی مسائل میں آپؐ کی اطاعت سے انکاری ہے یا آپؐ کی اطاعت نہیں کرتا؟ اس مسئلے میں اہل سنت کے ہاں تفصیل ہے جس کو ہم جابجا اس مضمون میں واضح کریں گے۔ مفسرین نے اپنی تفاسیر میں واضح کیا ہے کہ 'فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ' میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان مؤمن صادق داخل نہیں ہے۔ ایک شخص اگر اللہ کی طرح اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مُطاع مانتا ہے

لیکن پھر بھی بعض ضروری معاملات میں آپؐ کی اطاعت نہیں کرتا تو ایسا شخص تمام اہل سنت کے نزدیک کافر نہیں ہے' ہاں گناہ گار اور فاسق ہو گا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری فلاں بات پر عمل کرو' اگر عمل نہیں کروگے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اب اگر کوئی شخص آپؐ کے اس حکم میں آپؐ کی اطاعت کا قائل تو ہو لیکن آپؐ کی اطاعت نہ کرے تو کیا یہ شخص کافر ہو گا؟ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ))(۲۸)

''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔'' اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے جو گروہ میری وفات کے بعد آپس میں قتال کریں گے تو وہ کافر ہو جائیں گے۔ اسی طرح 'مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ کَفَرَ' اور 'بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلَاۃِ' اور 'إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِھَا أَحَدُھُمَا' اور 'سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ' وغیرہ کی طرح کی بہت سی ایسی احادیث مبارکہ موجود ہیں جن میں آپؐ نے اپنے کسی حکم کی خلاف ورزی کو کفر قرار دیا ہے۔ تو کیا ان احکامات میں آپؐ کی نافرمانی کرنے والا شخص کافر ہے؟ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس طرح کا شخص ایسا کافر نہیں ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے اور دائمی جہنمی ہو۔ اہل سنت کا ایک گروہ اس کو ''کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ'' قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے شخص کا کفر 'عملی کفر' ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ' امام شافعیؒ' امام احمدؒ اور محدثین کا قول یہی ہے۔ جبکہ اہل سنت کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ 'کفر مجازی' ہے 'یعنی حقیقی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور بعض فقہاء کا یہی قول ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو عملی کافر کہیں یا مجازی کافر' بہر حال اس بات پر جمیع اہل سنت کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص 'کافر حقیقی' نہیں ہے کہ جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو یا آخرت میں دائمی جہنم کا مستحق ہو۔(۲۹) اس کے برعکس خوارج اور معتزلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان احادیث کی وجہ سے گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ خوارج اس کو کافر بھی قرار دیتے ہیں جبکہ معتزلہ کافر نہیں کہتے' لیکن یہ دونوں گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ دائمی جہنمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوارج نے صحابہ کرامؓ پر کفر کے فتوے لگائے اور حضرت علیؓ و معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کے خون کو مباح قرار دیا۔ اگر خوارج اور معتزلہ کا نظریہ مان لیا جائے پھر تو معاذ اللہ! جنگ جمل اور جنگ صفین میں شامل تمام صحابہؓ کافر ہو گئے تھے؟ کیونکہ انہوں نے ((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی تھی۔ اب اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر بعض مفسرین مثلاً ابن کثیرؒ وغیرہ نے 'فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ' سے مراد مسلمانوں کا ایک گروہ لیا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہے کہ مسلمان آپؐ کی جزوی عدم اطاعت سے حقیقی کافر ہو جاتے ہیں' بلکہ ان کی مراد یہاں پر 'کفر دون کفر' اور عملی کفر ہے۔ امام ابن کثیرؒ کے شاگرد ابن ابی العز الحنفیؒ نے 'شرح عقیدہ طحاویہ' میں 'لَا نُکَفِّرُ اَحَدًا بِذَنْبٍ' کے تحت اس موضوع پر کافی مفصل بحث کی ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ 'کفر دون کفر' کی اصطلاح مابعد کے زمانوں کی نہیں ہے' بلکہ اسے سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے استعمال کیا تھا۔ اوپر ہم اس مسئلے کو زیر بحث لائے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کو لازمی حکم مانتا ہے' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکم میں اطاعت نہیں کرتا تو اس کا کیا حکم ہے؟ صحیح روایات اور ائمہ اہل سنت کی رائے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ایسا شخص عدم اطاعت کے باوجود کافر نہیں ہے۔ اور اگر آپؐ نے اس مسئلے میں اپنی عدم اطاعت کو کفر

قرار دیا ہے تو پھر بھی وہ شخص حقیقی کافر نہ ہو گا بلکہ مجازی یا عملی کافر ہو گا' جیسا کہ صحابہؓ بعض ایسے احکامات میں عدم اطاعت کے مرتکب ہوئے ہیں جن کے ارتکاب کو آپؐ نے کفر قرار دیا تھا۔ اب دوسرے مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ کوئی مسلمان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی لازمی حکم کا انکار کر دے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اب اس انکار کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپؐ کے اس لازمی حکم کو منسوخ سمجھتا ہو یا اس کی کوئی ایسی تأویل کرتا ہو کہ وہ لازمی حکم اس کے نزدیک لازمی نہ رہے [1] مستحب یا مباح کے دائرے میں چلا جائے۔ یا وہ آپؐ کے اس حکم کو بعض حالات یا اسباب کے ساتھ خاص قرار دیتا ہو یا کوئی بھی وجہ نہ ہو اور وہ اس کا انکار کر دے وغیرہ۔ اگر کوئی شخص کسی سنت کو منسوخ سمجھے یا اس کی تأویل

[1]مثلاً پاکستان سے افغانستان کی طرف بلکہ انڈیا شاید اس ہجرت کے لیے زیادہ مناسب ہو کیونکہ وہاں مسلمانوں کی تعداد افغانستان کی نسبت زیادہ ہے اور آپ ﷺ نے ہجرت اس علاقے کی طرف کی تھی جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی

کرے یا اس کو بعض حالات و اسباب سے خاص قرار دے' تو ایسی صورت میں اس سنت کا منکر اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق کافر نہ ہو گا۔ اس باب میں ہم یہاں پر صرف ایک اصولی بات کا ذکر کر دیتے ہیں کہ اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص آپؐ کی کسی ایسی لازمی سنت کا انکار کر دے جو کہ خبر واحد سے ثابت ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ حال ہی میں ایک نیا فلسفہ یہ بھی متعارف ہوا ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کا جو طریقہ ہمیں بذریعہ سنت ملتا ہے' فرض کی ادائیگی میں اس طریقے کی پیروی اُمت مسلمہ کے لیے لازم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس طریقے سے کسی فرض کو ادا نہیں کرتا جس طرح سے سنت میں اس کی ادائیگی کا طریقہ ملتا ہے تو ایسے شخص کا نہ تو وہ فرض ادا ہو گا اور نہ ہی وہ اُخروی نجات حاصل کر سکے گا' کیونکہ فرض کی ادائیگی کا جو طریقہ سنت سے ملتا ہے وہ اطاعت ہے اور آپؐ کی عدم اطاعت کو 'فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ' میں کفر قرار دیا گیا ہے۔ اس نظریہ کے حامل حضرات اس کے لیے ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور اس کی ادائیگی کا طریقہ سنت سے ملتا ہے' لہٰذا اگر کوئی سنت کے مطابق یہ فرض ادا نہیں کرتا تو اس کی نماز قبول نہیں ہے اور نہ ہی اس کی نجات ہو گی۔ اسی طرح اقامت دین کی جدوجہد فرض ہے۔ اس کی ادائیگی کا طریقہ سنت سے ملتا ہے' اور جو کوئی (مِن و عَن) اس منہج کے مطابق اقامتِ دین کی جدوجہد کا فریضہ سرانجام نہیں دے رہا جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ملتا ہے' تو ایسے شخص کا یہ فریضہ ادا نہ ہو گا اور نہ ہی اُخروی نجات ہو گی (مثلاً جماعت اسلامی' تبلیغی جماعت' حزب التحریر' علمائے دیوبند' جماعت اہل حدیث' جہادی تحریکیں وغیرہ)۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک یہ تمام گروہ یا تو اقامت دین کا فرض ادا ہی نہیں کر رہے یا اگر ادا کر رہے ہیں تو سیرت کے طریقے کے مطابق ادا نہیں کر رہے۔ اس نقطۂ نظر کے حاملین کو ہمارا جواب یہ ہے کہ جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو نماز کو جس طرح فرض قرار دیا گیا ہے اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ)) کے ذریعے اس کا سنت کے مطابق پڑھنا بھی فرض قرار دیا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ حج کا بھی ہے کہ آپؐ نے حج کی فرضیت پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اس کو اس طریقے کے مطابق ادا کرنا بھی لازم قرار دیا ہے جس طریقے پر آپؐ نے اسے ادا کیا ہے۔ مثلاً آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ((خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ)) 'یعنی مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔ لیکن بہت سے فرائض ایسے ہیں جن کی ادائیگی کو تو لازم قرار دیا گیا ہے لیکن ان کو اس طریقے پر ادا کرنا جیسے کہ آپؐ نے ادا کیا ہے' شریعت اسلامیہ میں لازم نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً مسلمانوں پر فرمانِ الٰہی ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾ کے ذریعے قصاص کو لازم کیا گیا۔ آپؐ کے زمانے میں قصاصاً قتل کرنے کے لیے تلوار سے گردن اڑائی جاتی تھی۔ اب اس کی جگہ پھانسی کے طریقے نے لے لی

ہے۔اب کون ساعالم دین ایسا ہے جو یہ فتویٰ جاری کرے گا کہ بذریعہ پھانسی قصاص لینے سے قصاص کا فریضہ ادا نہیں ہو تا اور اگر کوئی اسلامی ریاست قصاص کے حکم کی ادائیگی کے لیے پھانسی کا طریقہ اختیار کرتی ہے تو اس کی اُخروی نجات ممکن نہیں ہے؟ حق بات یہ ہے کہ جس فرض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کے طریقے کو بھی لازم قرار دیا گیا ہو اُس فرض کو اس طریقے کے مطابق ادا کرنا لازم ہے 'لیکن جن فرائض میں صرف فرض کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے ' کوئی طریقہ لازم نہیں کیا گیا ان فرائض کی ادائیگی کے لیے سیرت النبیؐ سے رہنمائی لیتے ہوئے کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جس سے اس فرض کی ادائیگی بہتر طریقے سے ہو سکے 'بشر طیکہ وہ طریقہ کسی شرعی نص کے خلاف نہ ہو۔مثلاً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام کے لیے قتال کو اُمت مسلمہ پر فرض قرار دیا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے حالات وواقعات اور اسباب و وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(الاحزاب:۲۱)

''تمہارے لیے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی) میں بہترین اسوہ ہے۔''

اس آیت کے معنی و مفہوم پر ہم آگے چل کر تفصیلی بحث کریں گے۔لہٰذا اقامت دین کے فرض کی ادائیگی کے لیے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مجموعی رہنمائی لیتے ہوئے عصر حاضر میں کوئی منہج اختیار کرنا تو درست بھی ہو گا اور مطلوب بھی 'لیکن اقامت دین کے فرض کی ادائیگی کے لیے سیرت کو بالتفصیل یا جزئی طور پر حجت قرار دینا سوائے غلو فی الدین اور شرعی نصوص کی خلاف ورزی کے اور کچھ نہیں ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں روایات ایسی ہیں جن میں آپؐ نے مسلمانوں سے قتال کو حرام قرار دیا ہے۔

جہاں تک اُخروی نجات کا معاملہ ہے تو اس کے بارے میں اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ یہی ہے کہ ہم کسی بھی مسلمان پر کسی فرض کی ادائیگی کے ترک یا حرام کے ارتکاب کی وجہ سے یہ فتویٰ نہیں جاری کریں

گے کہ اس کی نجات نہیں ہو گی۔اہل سنت کے نزدیک ایسا فتویٰ جاری کرنا شرک ہے۔مثلاً ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو دوست تھے۔ان میں ایک بڑا متقی اور پرہیز گار تھا جبکہ دوسرا عرصہ دراز سے کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا تھا۔اس متقی کا جب بھی اپنے گناہ گار بھائی کے پاس سے گزر ہو تا تو وہ اس کو اس گناہ سے منع کرتا تھا۔اسی طرح سالہا سال گزر گئے۔ایک دن وہ گناہ گار آدمی اپنے متقی بھائی کی تبلیغ کے جواب میں کہنے لگا:

((... خَلِّنِیْ وَرَبِّیْ اَبُعِثْتَ عَلَیَّ رَقِیْبًا؟قَالَ وَاللّٰہِ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکَ [أَوْ لاَ یُدْخِلُکَ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ] فَقَبَضَ أَرْوَاحَھُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ' فَقَالَ لِھٰذَا الْمُجْتَھِدِ أَکُنْتَ بِیْ عَالِمًا أَوْ کُنْتَ عَلٰی مَا فِیْ یَدِیْ قَادِرًا؟وَقَالَ لِلْمُذْنِبِ اذْھَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّۃَ بِرَحْمَتِیْ وَقَالَ لِلْآخَرِ اذْھَبُوْا بِہٖ اِلَی النَّارِ))(۳۶)

''میرا معاملہ میرے ربّ پر چھوڑ دے۔ کیا تجھے میرے اوپر نگران بنایا گیا ہے ؟ تو متقی آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تجھے معاف نہیں کرے گا [یا یوں کہا کہ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا]۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ارواح قبض کیں اور وہ دونوں اپنے ربّ کے دربار میں جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے متقی آدمی سے کہا: کیا تو میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے یا جو میرے ہاتھ میں ہے (یعنی مغفرت اور جنت میں داخل کرنا) کیا تو اس پر قادر ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے گناہ گار سے کہا: تو جنت میں داخل ہو جا اور متقی کے بارے میں فرشتوں کو حکم دیا: اس کو آگ کی طرف لے جاؤ۔'' علامہ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے (۳۷)۔ شیخ احمد شاکر نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (۳۸)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی درجہ بندی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہمارے لیے شریعت ہے یا نہیں ' اور اگر ہے تو اس میں کوئی درجہ بندی بھی ہے یا نہیں ؟ اس بات کی وضاحت اس لیے از حد ضروری ہے کہ ناواقفیت کی بنا پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں دو ایسی انتہائیں وجود میں آجاتی ہیں جو سنت کی حیثیت کو افراط و تفریط کا شکار کر کے اہل سنت کے منہج سے دور لے جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک انتہا وہ ہے جسے منکرین سنت نے اختیار کیا کہ سنت کی آئینی حیثیت کا انکار کر دیا جائے یا اسے چند مَن چاہی سنتوں تک محدود کر دیا جائے ' اور دوسری انتہا یہ نظریہ ہے کہ اقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جانے والی تعلیمات میں تکلیفِ شرعی کے اعتبار سے درجہ بندی کو یہ کہہ کر ردّ کر دیا جائے کہ یہ تو فقہاء کی پیدا کردہ تقسیم ہے جس سے سنت کا استخفاف ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم اس بحث کو سمجھنے کے لیے حدیث کی کتب سے چند اصول پیش کر رہے ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ وضاحت کے لیے

براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و سیرت کے حوالے پیش کیے جائیں تا کہ کسی کو یہ اعتراض نہ ہو کہ فقہ تو بہت بعد کی پیداوار ہے جس میں (معاذاللہ) سنت کی درجہ بندی کر کے استخفافِ سنت جیسے فتنوں کا راستہ پیدا کر دیا گیا ہے۔ (۱) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے بعض اوقات کسی فعل کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ نَظْرَۃِ الْفَجْأَۃِ فَقَالَ: ((اِصْرِفْ بَصَرَکَ))(۳۹)

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک (کسی اجنبی عورت پر) نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے جواب دیا: '' اپنی نظر پھیر لو۔'' امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (۴۰) علامہ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (۴۱) اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کی صورت میں اس سے اپنی نظریں پھیرنے کا جو حکم دیا ہے یہ حکم فقہاء کے نزدیک وجوب کا فائدہ دے رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کا انکار کر دے تو اس شخص کا کسی اسلامی معاشرے میں حکم (status) کیا ہے ؟ کیا ایسا شخص کافر ہے ؟ جمہور علمائے مالکیہ ' شوافع ' حنابلہ ' اہل الظاہر اور اہل الحدیث کے نزدیک اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی ایسا حکم ثابت ہو جس کے کرنے کو لازم ٹھہرایا گیا ہو تو اسے فرض یا واجب کہتے ہیں۔ لہٰذا فرض یا واجب وہ ہے جس کے کرنے کو شارع نے مکلف پر لازم ٹھہرایا ہو اور اس کو نہ کرنا باعث ملامت بھی ہو اور اس کا تارک آخرت میں سزا کا بھی مستحق ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی شے ہیں۔ چاہے کسی حکم کا لزوم قرآن سے ثابت ہو یا سنت سے ' دونوں ہی فرض ہیں ' جبکہ احناف

کے نزدیک فرض وہ ہے جو کہ قطعی ذریعہ مثلاً قرآن' متواتر حدیث یا اجماعِ اُمت سے ثابت ہو اور اس کے کرنے کو شارع علیہ السلام نے لازم ٹھہرایا ہو' جبکہ واجب وہ ہے جو کہ ظنی ذریعہ یعنی خبر واحد سے ثابت ہو اور اس کے کرنے کو شارعؑ نے لازم ٹھہرایا ہو۔ لیکن تمام ائمہ اہل سنت مالکیہ' احناف' شوافع' حنابلہ اور اہل الحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی فعل کی فرضیت یا وجوبیت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (یعنی خبر واحد) سے ثابت ہو رہی ہو اور کوئی شخص اس فرض یا واجب کو ماننے سے انکار کر دے تو اس کے منکر کو دنیا میں ملامت کی جائے گی اور وہ آخرت میں سزا کا بھی مستحق ہو گا' لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ الشیخ عاصم الحدادؒ لکھتے ہیں: ''اعتقادی مسائل میں دوسرے تمام ائمہ حنفیہ متفق ہیں کہ فرض یا واجب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے اور اس سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس کا علم قرآن یا تواتر کے

ذریعے ہوا ہو اور دوسرا وہ جس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاتی اور اس سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس کا علم اخبار آحاد کے ذریعہ ہوا ہو۔'' (۴۲)
خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی سنت کے منکر پر دنیا میں کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا لیکن اس کو سخت ملامت کی جائے گی اور آخرت میں بھی سزا کا مستحق ہو گا۔ اسی طرح ایسی سنت کے تارک کو بھی دنیا میں ملامت اور آخرت میں سزا ہو گی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ خبر واحد سے ثابت ہونے والے کسی حکم کی فرضیت یا وجوبیت پر اگر علمائے اُمت کا اجماع ہو تو پھر اس سنت کے منکر کی اجماع کی خلاف ورزی کی وجہ سے تکفیر کی جائے گی۔

(۲) بعض اوقات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔ مستحب سے مراد یہ ہے کہ شارعؑ نے کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کیا ہو لیکن اس کو مکلف پر لازم قرار نہ دیا ہو۔ بعض اوقات مستحب میں تاکید زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات کم۔ اسی لیے فقہاء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں' یعنی مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے بعض اوقات سنت مؤکدہ ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً آپؐ کا ارشاد ہے:

((اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَجْلِسَ))(۴۳)

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔'' یہ ذہن میں رہے کہ جمہور فقہاء اور محققین اصولیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن و سنت میں جہاں بھی امر کا صیغہ آئے گا اس سے مراد فرضیت یا وجوب ہو گا' لیکن اگر کچھ منصوص یا غیر منصوص قرائن ایسے ہوں جن سے معلوم ہو کہ یہ حکم یہاں لزوم کے لیے نہیں ہے تو پھر اس سے مراد استحباب لیا جائے گا۔ بعض دوسری صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم یہاں وجوب کے لیے نہیں ہے۔ ان روایات کو امام عبد الرحمن مبارکپوریؒ نے سنن الترمذی کی شرح 'تحفۃ الاحوذی' میں بیان کیا ہے۔ امام ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

واتفق أئمة الفتوی أن الأمر فی ذلک للندب(۴۴)

''اہل فتویٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے۔''

لہٰذا تحیۃ المسجد کی دو رکعات سنت مؤکدہ ہے۔ جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وجوب کے لیے نہیں ہے تو پھر سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ اس کا تعین بھی قرائن سے ہو گا اور یہ قرائن منصوص بھی ہو سکتے ہیں' مثلاً دوسری احادیث مبارکہ'

اور غیر منصوص بھی 'مثلاً صحابہؓ کا عمل وغیرہ۔ امام عبد الرحمن مبارکپوری نے 'تحفۃ الاحوذی' میں اس موضوع سے متعلق کافی روایات کو اکٹھا کیا ہے جن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعات سنت مؤکدہ ہیں نہ کہ غیر مؤکدہ۔ طوالت کے خوف سے ہم ان روایات کو یہاں بیان نہیں کر رہے۔ جہاں تک سنت مؤکدہ کے حکم کا تعلق ہے تو ہم پہلے بھی اسے بیان کر چکے ہیں کہ سنت مؤکدہ کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس پر عمل کرنے والے کو ثواب ہو گا اور اس کے تارک کو دنیا میں ملامت کی جائے گی' لیکن آخرت میں عذاب نہیں ہو گا۔ سنن مؤکدہ کے حکم کے بارے میں دو ابحاث بڑی اہم ہیں: الف: اگر کوئی شخص کسی سنت مؤکدہ کو مستقل طور پر ترک کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی ساری زندگی صرف فرض نماز پڑھتا رہے اور سنن مؤکدہ ادا نہ کرے تو شرعاً گناہ گار ہو گا۔ ب: اگر کوئی معاشرہ' جماعت یا گروہ کسی سنت مؤکدہ کو کلی طور پر ترک کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ امام شاطبیؒ نے اس بارے میں 'الموافقات' میں بڑی عمدہ بحث کی ہے کہ ایک سنت مؤکدہ فرد کے اعتبار سے تو سنت ہوتی ہے لیکن اجتماع یا معاشرے کے اعتبار سے فرض کفایہ ہوتی ہے۔ مثلاً نکاح کرنا جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر نکاح کی ضرورت محسوس نہ کرے یا کسی اور وجہ سے نکاح نہ کرے تو دنیا میں تو اسے بغیر کسی شرعی عذر کے نکاح نہ کرنے پر ملامت کی جائے گی لیکن آخرت میں وہ عذاب کا مستحق نہ ہو گا' لیکن کسی مسلمان معاشرے کے لیے یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اجتماعی طور پر نکاح کی سنت کو ترک کر دے۔ ایسی صورت میں سارا معاشرہ گناہ گار ہو گا اور آخرت میں عذابِ الٰہی کا مستحق ہو گا۔ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کسی فعل کے مستحب ہونے کا علم ہوتا ہے اور یہ فعل سنتِ غیر مؤکدہ ہوتا ہے نہ کہ سنت مؤکدہ۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے الفاظ ہیں:

((اِنَّ الْیَہُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا یَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ))(۴۵)

''یہود اور عیسائی خضاب نہیں کرتے۔ پس تم ان کی مخالفت کرو (یعنی خضاب کرو)۔''

یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے قرینے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے' جیسا کہ صحابہؓ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے' کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ خضاب کرتے تھے جبکہ حضرت علی' حضرت انس' حضرت اُبی بن کعب اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم وغیرہ خضاب نہیں کرتے تھے۔(۴۶) وہ روایات جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے ان کا اسلوبِ بیان بھی ایسا ہی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو یا مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ ان راویات میں داڑھی رکھنے کا حکم وجوب کے لیے ہے کیونکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس بات پر قرینہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبد اللہ المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صَلُّوْا قَبْلَ صَلَاۃِ الْمَغْرِبِ))قَالَ فِی الثَّالِثَۃِ: ((لِمَنْ شَاءَ)) کَرَاھِیَۃَ أَنْ یَّتَّخِذَھَا النَّاسُ سُنَّۃً(۴۷)

''مغرب کی فرض نماز سے پہلے نماز (دو رکعت نفل) پڑھو۔'' آپؐ نے یہ بات تین مرتبہ کہی اور تیسری مرتبہ یہ اضافہ کیا کہ ''جو چاہے پڑھ لے''۔ اور آپؐ نے تیسری مرتبہ 'جو چاہے' کے الفاظ اس لیے کہے کہ لوگ اس کو سنت (مؤکدہ) نہ سمجھ لیں۔'' اس حدیث میں ''لِمَنْ شَاءَ'' کے الفاظ سے واضح ہو گیا کہ آپؐ کا حکم استحباب کے معنی میں ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صحابہؓ سنت کا لفظ سنت مؤکدہ (یعنی ایسی سنت جس کا چھوڑنا باعث ملامت

ہو) کے لیے بھی استعمال کرتے تھے' اسی لیے صحابیؓ نے یہ وضاحت کی کہ آپؐ نے 'لِمَنْ شَاءَ' کے ذریعے واضح کیا کہ لوگ اس عمل کو سنت (موکدہ) نہ بنالیں۔ امام ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً)أي طريقة لازمة لا يجوز تركها أو سنة راتبة يكره تركها وليس المراد ما يقابل الوجوب(۴۸)

"اس جملے سے مراد یہ ہے کہ لوگ اس کو کوئی ایسا لازمی طریقہ نہ سمجھ لیں کہ جس کا ترک کرنا جائز نہیں ہوتا یا اس کو سنت موکدہ نہ بنالیں کہ جس کو چھوڑنا مکروہ ہے۔ یہاں اس حدیث میں سنت سے مراد وہ نہیں ہے جو واجب کے بالمقابل ہو۔"

(۳) بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک کسی فعل کی اباحت بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً:

((حَدِّثُوا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ))(۴۹)

"بنی اسرائیل سے بیان کرو (یعنی اسرائیلی روایات) اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔"

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل سے متعلقہ مجمل واقعات کی تفصیل کے لیے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس حدیث میں 'حَدِّثُوْا' امر کا صیغہ نہ ہی وجوب کے لیے ہے اور نہ ہی استحباب کے لیے' بلکہ یہ اباحت کے لیے ہے 'یعنی بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ روایت احکامِ شرعیہ سے متعلق نہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی عقائد یا تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ امام ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدثوا صيغة أمر تقتضي الوجوب فأشار إلى عدم الوجوب و أن الأمر فيه للإباحة بقوله و لا حرج(۵۰)

"حَدِّثُوا صیغہ امر ہے جو وجوب کا متقاضی ہے 'لیکن آپؐ نے اس فعل کے عدم وجوب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا یہاں امر اباحت کے معنی میں ہے 'جیسا کہ' 'وَلَا حَرَجَ' کے الفاظ اس کی اباحت کی دلیل ہیں۔" مباح کی تعریف اور حکم کے بارے میں الدکتور عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

المباح: هو ما خير الشارع المكلف بين فعله و تركه' و لا مدح و لا ذم على الفعل و الترك... وان حكم المباح أنه لا ثواب فيه و لا عقاب' و لكن قد يثاب عليه بالنية والقصد كمن يمارس أنواع الرياضية البدنية بنية تقوية جسمه' ليقوى على محاربة الأعداء(۵۱)

"مباح سے مراد یہ ہے کہ شارع نے مکلف کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اختیار دیا ہو... مباح کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ ثواب ہے اور نہ گناہ' لیکن اگر اچھی نیت اور ارادے سے کوئی مباح کام کرے گا تو اس کا ثواب ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص اس لیے ورزش کرتا ہے تا کہ اس کا جسم مضبوط

ہو اور وہ دینِ اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرے تو اس ورزش کا بھی ثواب ہو گا۔" فرض' واجب اور مستحب کی طرح مباح کے قواعد و ضوابط کے بارے میں بھی اصولیین نے اصول کی کتابوں میں تفصیلی بحثیں کی ہیں۔مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ کسی فعل کے مباح ہونے کے کیا قرائن اور دلائل ہوتے ہیں۔اس بارے میں الدکتور عبد الکریم زیدان نے 'الوجیز' میں عمدہ بحث کی ہے۔امام شاطبیؒ بھی 'الموافقات' میں مباح کے حوالے سے بڑی نفیس ابحاث لے کر آئے ہیں۔مثلاً امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایک مباح فعل فرض یا مستحب بھی بن جاتا ہے اور بعض اوقات مکروہ یا حرام بھی۔مثلاً قرآن میں ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ کا حکم ہے جو کہ اباحت کے لیے ہے' یعنی جو چاہے کھانا کھائے اور جو چاہے نہ کھائے' لیکن اگر کوئی شخص مستقل کھانا چھوڑ دے اور موت کے قریب پہنچ جائے' جیسا کہ بھوک ہڑتال میں ہوتا ہے' تو اب اس کے لیے یہی حکم (یعنی کھانا کھانے کا) فرضیت کے درجے میں ہو گا۔اسی طرح اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنا ایک مباح فعل ہے' لیکن اس مباح فعل پر مداومت اس فعل کو حرمت کے درجے تک پہنچا دے گی۔ قرآن و سنت میں امر کا صیغہ ہر وقت وجوب کے معنی میں نہیں ہوتا' جیسا کہ ناواقف لوگوں کا خیال ہے۔امام سبکیؒ نے 'جمع الجوامع' میں امر کے صیغے کے ۲۶ معانی کا تذکرہ کیا ہے۔بعض اصولیین نے امر کے صیغے کے سترہ اور بعض نے سولہ معانی بھی بیان کیے ہیں۔مثلاً وجوب' ندب' اباحت' تہدید' ارشاد' تأدیب' انذار' امتنان' اکرام' امتہان' تکوین' تعجیز' اہانت' تسویہ' دعا' تمنی' احتقار' خبر' اعتبار' تعجب' تکذیب' مشورہ' ارادہ' امتثال' اذن' انعام اور تفویض وغیرہ۔اصولیین نے امر کے یہ تمام معانی قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت کیے ہیں۔طوالت کے خوف سے ہم ان تمام نصوص کو بیان نہیں کر رہے۔مثال کے طور پر ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں امر کا صیغہ دعا کے معنی میں ہے' ﴿ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾ (الدُّخان) میں اہانت کے لیے ہے اور ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۴۰) میں تہدید کے لیے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنن جو کسی فعل کی اباحت سے متعلق ہیں' ان سنن پر عمل یا ان کی ترغیب و تشویق دینِ اسلام کا مطلوب و مقصود نہیں ہے' سوائے اس کے کہ وہ مباح استحباب یا وجوب کے درجے کو پہنچ جائے' جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(۴) بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کسی فعل کی کراہت ثابت ہوتی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کا فرمان ہے:

((لَا يَمْشِ اَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ))(۵۲)

"تم میں سے کوئی شخص ایک جوتے میں نہ چلے۔

" اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع فرمایا' لیکن ایک جوتا پہن کر چلنا حرام نہیں ہے' بلکہ' مکروہ ہے۔لہٰذا اس حدیث میں نہی کا صیغہ کراہت کے لیے ہے۔امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یکرہ المشی فی نعل واحدۃ أو خف واحد(۵۳)

''ایک جوتے یا ایک موزے میں چلنا مکروہ ہے۔'' امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو بیان کرنے کے لیے 'ما جاء فی کراھیة المشی فی النعل الواحدة' کے الفاظ سے باب باندھ کر اس فعل کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعُدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ))(۵۴)

''دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔''

اس حدیث میں دشمن سے ملاقات کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ تمنا کرنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب 'کراھیۃ تمنی لقاء العدو' میں اس کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح امام نوویؒ نے 'صحیح مسلم' میں 'کراھیۃ تمنی لقاء العدو' اور امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں 'فی کراھیة تمنی لقاء العدو' کے عنوان سے باب باندھ کر اس فعل کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصولیین کی تعریف کے مطابق مکروہ سے مراد وہ فعل ہے جس کے نہ کرنے کا شارع نے حکم دیا ہو لیکن اس کے نہ کرنے کو لازم نہ ٹھہرایا ہو۔ مکروہ کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔ الدکتور عبد لکریم زیدان مکروہ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

و حکم المکروہ أن فاعله لا یأثم و إن کان ملوما و أن تارکه یمدح و یثاب اذا کان ترکه للّٰہ(۵۵)

''مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا گناہ گار نہ ہوگا اگرچہ اس کو ملامت کی جائے گی اور اس کا تارک قابل مدح اور ثواب کا مستحق ہے جبکہ اس نے اس فعل کو اللہ کے لیے ترک کیا ہو۔'' احناف اس مکروہ کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں جبکہ جمہور علماء صرف مکروہ کہتے ہیں۔ تمام ائمہ اہل سنت کے نزدیک اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوگی۔ عامۃ الناس کو مکروہات سے بچنے کی ترغیب و تشویق بھی دلائی جائے گی۔

(۵) بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کسی فعل کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبْ بَعْضُكُمْ عَلٰى خِطْبَةِ بَعْضٍ))(۵۶)

''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ ہی کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے۔'' اگر کسی شخص نے بذریعہ ایجاب و قبول کوئی سودا مکمل کر لیا ہے تو اس کے اس سودے پر سودا کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کا کسی خاندان میں رشتہ طے ہو چکا ہو تو وہاں اپنے رشتے کی بات چلانا حرام ہے سوائے اس کے کہ پہلا شخص دوسرے کو اجازت دے دے یا وہ اس جگہ نکاح کا اردہ ترک کر دے۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

هذہ الأحادیث ظاہرۃ فی تحریم الخطبة علی خطبة أخیه و أجمعوا علی تحریمها اذکان قد صرح للخاطب بالإجابة و لم یأذن و لم یترک(۵۷)

''ان احادیث مبارکہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی کرنا حرام ہے اور اُمت کا اس فعل کی حرمت پر اجماع ہے جبکہ لڑکی والوں نے پیغام بھیجنے والے کے پیغام کو صراحتاً قبول کر لیا ہو اور پہلے شخص نے دوسرے کو نہ تو وہاں پیغام بھیجنے کی اجازت دی ہو اور نہ ہی اس جگہ نکاح کا ارادہ ترک کیا ہو۔'' احناف ایسے فعل کو حرام کی بجائے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ جمہور اور احناف کے نزدیک اس کی تعریف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حرام یا مکروہ تحریمی سے مراد ایسا فعل ہے جس کے نہ کرنے کا شارع نے حکم دیا ہو اور اس کے نہ کرنے کو لازم بھی ٹھہرایا ہو۔ اس کے مرتکب کو ملامت کی جائے گی اور اس کو آخرت میں عذاب بھی ہو گا۔

احناف کے نزدیک اگر اس کا علم قطعی ذریعے یعنی قرآن' خبر متواتر یا اجماع سے ہو گا تو یہ حرام ہے اور اگر اس کا علم ظنی ذریعے یعنی خبر واحد سے ہو گا تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ جبکہ جمہور اسے حرام ہی کہتے ہیں چاہے قرآن سے اس کا علم حاصل ہو یا خبر واحد سے۔ ائمہ جمہور اور احناف کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی فعل کی حرمت بذریعہ سنت (یعنی خبر واحد) معلوم ہو اور اس سنت کا کوئی شخص انکار کر دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اگرچہ دنیا میں اس کو سخت ملامت کی جائے گی اور آخرت میں وہ عذابِ الٰہی کا مستحق ہو گا۔ الشیخ عاصم الحداد لکھتے ہیں: ''اور سب' وہ (یعنی احناف) اور دوسرے (یعنی مالکیہ' شافعیہ' حنابلہ ور اہل الحدیث) یہ کہتے ہیں کہ تکفیر اس شخص کی کی جائے گی جو کسی قطعی دلیل سے ثابت چیز کا انکار کرے اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے جو کسی ظنی دلیل سے ثابت چیز کا انکار کرے۔ اسے صرف فاسق یا گمراہ قرار دیا جا سکتا ہے۔''(۵۸)

(۶) بعض اوقات کسی مسئلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول ہوتا ہے اور ایک شخص اس قول پر عمل کرنے کو سنت پر عمل سمجھ رہا ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب و تشویق دلا رہا ہوتا ہے جبکہ آپ کا وہ قول آپ ہی کے کسی دوسرے قول یا فعل سے منسوخ ہوتا ہے۔ عام اشخاص یا اہل علم کی بات تو کجا بعض اوقات بعض صحابہؓ کو بھی آپ کی کسی سنت کے نسخ کا علم نہیں ہوتا تھا اور وہ منسوخ سنت پر خود بھی عمل کر رہے ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب و تشویق دلا رہے ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر صحابی ہر وقت آپ کی مجلس میں موجود نہیں ہوتا تھا اس لیے ہر صحابی کو ہر حدیث کا علم بھی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تَوَضَّئُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ))(۵۹)

''جس کو آگ نے چھوا ہو اُس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔''

اسی طرح حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ وَلَوْ مِنْ ثَوْرِ أَقِطٍ))قَالَ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنَتَوَضَّأُ مِنَ الدُّهْنِ؟أَنَتَوَضَّأُ مِنَ الْحَمِيْمِ؟قَالَ فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يَا ابْنَ أَخِيْ إِذَا سَمِعْتَ حَدِيْثًا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم فَلَا تَضْرِبْ لَهٗ مَثَلاً(۶۰)

''جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اُس کے کھانے کے بعد وضو کرو چاہے وہ پنیر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔'' راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا: کیا ہم چکناہٹ کی وجہ سے وضو کریں؟ کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے بھی وضو کریں؟ (کیونکہ گرم پانی کو بھی آگ چھوتی ہے)۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب میں کہا: اے میرے بھتیجے! جب تمہارے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے لیے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔'' علامہ البانیؒ نے اس روایت کو 'حسن' کہا ہے۔(٦١) شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو 'صحیح' کہا ہے۔(٦٢) اصل مسئلہ یہ ہے کہ شروع میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم دیا تھا۔ بعد میں آپ نے ہی اس کو منسوخ کر دیا اور اس نسخ کا علم بعض صحابہ رضی اللہ عنہم 'کو نہ ہوا' لہٰذا وہ اس منسوخ سنت پر خود بھی عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم جاری کرتے رہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ آخِرُ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ(٦٣)

''دونوں باتوں میں سے آخری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ ایسی چیزوں کے کھانے کے بعد وضو نہ کرنا ہے جنہیں آگ نے چھوا ہو۔'' امام نوویؒ نے اس حدیث کی سند کو 'صحیح' کہا ہے۔(٦٤) امام ابن حجرؒ نے اس کو 'حسن' کہا ہے۔(٦٥) امام ابن الملقنؒ اس روایت کو 'صحیح' کہا ہے۔(٦٦) امام طحاویؒ نے بھی 'صحیح' کہا ہے۔(٦٧) امام ابن حزمؒ نے اس کو 'قابل حجت' قرار دیا ہے۔(٦٨) ابن قدامہؒ نے اس روایت کو 'ضعیف' کہا ہے۔(٦٩) یہ روایت صحیح ہے اور جمہور صحابہ' تابعینؒ اور ائمہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال کے بعد وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ صحابہؓ میں حضرت ابو بکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت عبد اللہ بن عباس' حضرت ابو امامہ' حضرت عامر بن ربیعہ' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ میں حضرت عبید اللہ السلمانی' حضرت سالم بن عبد اللہ' حضرت قاسم بن محمد رحمہم اللہ اور فقہائے اہل مدینہ اور ائمہ میں امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام ابو حنیفہ' امام اسحاق بن راہویہ' امام عبد اللہ بن مبارک' امام سفیان ثوری رحمہم اللہ' اہل کوفہ اور اہل حجاز کا موقف یہی ہے۔ جبکہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کے وجوب کی قائل ہے۔ تفصیل کے لیے امام نووی رحمہ اللہ کی 'شرح مسلم' اور امام عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کی 'تحفۃ الاحوذی' کا مطالعہ مفید رہے گا۔ اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ایک حدیث پڑھ کر اس پر عمل یا اس کی ترغیب و تشویق شروع نہیں کر دینی چاہیے' بلکہ علماء سے پوچھ پوچھ کر عمل کرنا چاہیے۔

(٧) بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم تدبیری امور سے متعلق ہوتا ہے۔ آپ کے ایسے اقوال بھی سنت نہیں ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَأْبُرُوْنَ النَّخْلَ يَقُوْلُوْنَ يُلَقِّحُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ: ((مَا تَصْنَعُوْنَ؟)) قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ: ((لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا)) فَتَرَكُوْهُ فَنَفَضَتْ [أَوْ فَنَقَصَتْ] قَالَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ: ((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ؟))(٧٠)

"اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجور کی پیوند کاری کرتے تھے اور وہ کہتے تھے اس طرح فصل زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا: "تم یہ کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: ہم عرصہ دراز سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "شاید کہ تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہو۔" چنانچہ صحابہ نے اگلی فصل میں ایسا نہ کیا جس سے پھل کم ہو گیا۔ صحابہ نے آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک انسان ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین سے متعلق کوئی حکم دوں تو تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جب میں تمہیں اپنی ذاتی رائے سے کوئی حکم جاری کروں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔" یہ حدیث اس مسئلے میں نص صریح ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احکامات تشریع کے لیے نہ تھے۔ جیسے کسی مسئلے میں آپ نے بعض صحابہ کو دنیاوی امور میں کوئی مشورہ دے دیا ہو یا ان کی رہنمائی کر دی ہو۔

(۸) بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سفارش کی قبیل سے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اُمت کے لیے شریعت نہیں ہیں۔ مثلاً روایات میں آتا ہے کہ حضرت بریرہؓ حضرت عائشہؓ کی لونڈی تھیں جو ایک غلام حضرت مغیثؓ کے نکاح میں تھیں۔ بعد ازاں ایک موقع پر حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو آزاد کر دیا۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت آزاد ہو جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنی غلامی کی حالت میں کیے ہوئے نکاح کو برقرار رکھے یا توڑ دے۔ حضرت بریرہؓ نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے حضرت مغیثؓ کے نکاح میں رہنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت مغیثؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے درخواست کی کہ آپ بریرہؓ کو سمجھائیں۔ تو آپؐ نے حضرت بریرہؓ کو بلوا کر کہا:

((یَا بَرِیْرَۃُ اتَّقِی اللّٰہَ فَإِنَّہٗ زَوْجُکِ وَأَبُوْ وَلَدِکِ))فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَتَأْمُرُنِیْ بِذٰلِکَ؟قَالَ:((لَا' إِنَّمَا اَنَا شَافِعٌ))فَکَانَ دُمُوْعُہٗ تَسِیْلُ عَلٰی خَدِّہٖ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْعَبَّاسِ:((أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِیْثٍ بَرِیْرَۃَ وَبُغْضِھَا إِیَّاہُ؟))(۷۱)

"اے بریرہؓ! اللہ سے ڈر' وہ تیرا شوہر ہے اور تیرے بچے کا باپ ہے۔ تو حضرت بریرہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ مجھے مغیثؓ کی طرف لوٹ جانے کا حکم دے رہے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: "نہیں' میری حیثیت تو ایک سفارشی کی ہے۔" حضرت مغیثؓ کی حالت یہ تھی کہ (وہ مدینہ کی گلیوں میں حضرت بریرہؓ کے پیچھے پھرتے تھے اور) ان کے گالوں پر ہر وقت آنسو بہتے رہتے تھے۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: "کیا تجھے تعجب نہیں ہوتا کہ مغیثؓ کو بریرہؓ سے کتنی محبت ہے اور بریرہؓ کو مغیثؓ سے کس قدر نفرت ہے؟" امام ابن حزمؒ نے اس روایت کو 'قابل حجت' قرار دیا ہے۔(۷۲) امام ابن تیمیہؒ نے اس کو 'صحیح' کہا ہے۔(۷۳) علامہ البانیؒ نے اس کو 'صحیح' کہا ہے۔(۷۴) شیخ احمد شاکر نے بھی اس کی سند کو 'صحیح' کہا ہے۔(۷۵) اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننا واجب ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت بریرہؓ آپ سے یہ سوال نہ کرتیں کہ کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟ ہمارے خیال میں یہ استدلال درست نہیں ہے' بلکہ یہ صریح نصوص کے خلاف ہے' جیسا کہ تأبیر نخل والی روایت میں ہے۔ اسی طرح آپ نے جب ایک دفعہ صحابہؓ کو راستوں میں بیٹھنے سے منع کیا تو صحابہؓ نے آپؐ کا یہ حکم نہ مانا' کیونکہ صحابہؓ کے نزدیک یہ کوئی شرعی حکم نہ تھا' بلکہ اس حدیث سے تو اس کے برعکس حکم معلوم ہوتا ہے' کیونکہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ کو کہا کہ اللہ سے ڈرو تو حضرت بریرہؓ کو آپؐ سے سوال ہی نہیں کرنا چاہیے تھا۔ حضرت بریرہؓ کا آپؐ

کے الفاظ 'اِتَّقِی اللّٰہ' کے باوجود آپ سے سوال کرنا کہ کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں' یہ واضح کرتا ہے کہ آپ کا ہر حکم شرعی نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپ کے ایسے احکامات جو کہ مشورے کی قبیل سے ہوں' ان کا انکار' انکارِ سنت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ایسی سنن کی اتباع بھی لازم نہیں ہے۔

(۹) بعض اوقات آپ کے احکامات قضاء سے متعلق ہوتے ہیں۔ آپ کے ایسے احکامات بھی سنت یعنی مصدر شریعت نہیں ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے: ((اِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ أَخِیْہِ شَیْئًا بِقَوْلِہٖ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ فَلَا یَأْخُذْھَا))(۷۶)

''تم میں سے بعض لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں' اور شاید تم میں سے کوئی ایک زیادہ' چرب زبان واقع ہو۔ پس اگر میں کسی ایک شخص کو اس کی چرب زبانی کی وجہ سے اس کے بھائی کے حق میں سے دے دوں' تو ایسے شخص کو میں آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں' پس وہ اس کو نہ لے۔''

(۱۰) بعض اوقات آپ کے احکامات کسی ایک شخص کے بارے میں خاص ہوتے ہیں' لہٰذا تمام اُمت کے لیے وہ سنت نہیں ہوتے۔

مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں: ذَبَحَ أَبُوْ بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم: ((أَبْدِلْھَا)) قَالَ لَیْسَ عِنْدِیْ اِلاَّ جَذَعَةٌ [قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُہٗ قَالَ: ھِیَ خَیْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ] قَالَ: ((اِجْعَلْھَا مَکَانَھَا وَلَنْ تَجْزِیَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَکَ))(۷۷)

''حضرت ابو بردہؓ نے نماز عید سے پہلے قربانی کر لی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:'' تم اس کے بدلے میں ایک اور قربانی کرو۔'' تو انہوں نے جواباً کہا: میرے پاس تو صرف ایک جذعہ (بکری) ہے۔ [حدیث کے راوی شعبہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ (یعنی جذعہ) دوندے سے بہتر حالت میں ہے] تو آپؐ نے فرمایا:'' اس کے بدلے میں جذعہ (بکری) قربانی کے طور پر دے دو' لیکن یہ (یعنی جذعہ بکری) تیرے بعد کسی کو (بطور قربانی) کفایت نہیں کرے گی (یعنی بکری کے لیے دو دانتا ہونا ضروری ہے)۔'' اسی طرح آپ کے بعض احکامات کے بارے میں صحابہؓ میں اختلاف بھی ہو جاتا تھا کہ وہ عام ہیں یا خاص۔ مثلاً آپ کے ایک صحابی حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ ان کے ساتھ ہی ان کے گھر میں رہتے تھے' لیکن یہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ جب یہ بالغ ہو گئے تو حضرت ابو حذیفہؓ کو اُن کا اپنے گھر میں آنا جانا اور رہنا پسند نہ تھا' اس پر ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیلؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کا حل دریافت فرمایا تو آپؐ نے ان صحابیہؓ کو مشورہ دیا: ((أَرْضِعِیْہِ)) قَالَتْ وَکَیْفَ أُرْضِعُہٗ وَھُوَ رَجُلٌ کَبِیْرٌ؟ فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالَ: ((قَدْ عَلِمْتُ أَنَّہٗ رَجُلٌ کَبِیْرٌ))(۷۸)

''اس (یعنی سالمؓ) کو دودھ پلا دو''تو حضرت سہلہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے کیسے دودھ پلاؤں جبکہ وہ ایک بالغ لڑکا ہے؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ وہ ایک بالغ لڑکا ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کے حکم کو صرف ان صحابیہؓ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتی تھیں۔ایک روایت کے الفاظ ہیں:

فَبِذٰلِکَ کَانَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا تَأْمُرُ بَنَاتِ اَخَوَاتِہَا وَبَنَاتِ إِخْوَتِہَا أَنْ یُرْضِعْنَ مَنْ اَحَبَّتْ عَائِشَۃُ اَنْ یَرَاھَا وَیَدْخُلَ عَلَیْہَا وَإِنْ کَانَ کَبِیْرًا خَمْسَ رَضَعَاتٍ ثُمَّ یَدْخُلُ عَلَیْہَا وَاَبَتْ أُمُّ سَلَمَۃَ وَسَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ یُدْخِلْنَ عَلَیْہِنَّ بِتِلْکَ الرَّضَاعَۃِ اَحَدًا مِنَ النَّاسِ حَتّٰی یَرْضَعَ فِی الْمَھْدِ وَقُلْنَ لِعَائِشَۃَ وَاللّٰہِ مَا نَدْرِیْ لَعَلَّھَا کَانَتْ رَخْصَۃً مِنَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لِسَالِمٍ دُوْنَ النَّاسِ(۷۹)

''اسی حدیث کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیتی تھیں کہ وہ اس کو پانچ مرتبہ دودھ پلائیں جس کے بارے میں حضرت عائشہؓ کو یہ پسند ہوتا تھا کہ وہ ان کو دیکھے اور ان کے پاس آئے اگرچہ وہ بڑا ہی کیوں نہ ہو۔لیکن اُم سلمہؓ اور باقی تمام ازواج مطہرات نے اس بات سے انکار کر دیا کہ کوئی شخص اس طرح (بڑی عمر میں) ان کا رضاعی رشتہ دار بنے اور پھر اس کے لیے ازواج مطہرات کے پاس آنا جائز ہو۔یہ تمام ازواج گود کی (حالت میں) رضاعت کی وجہ سے اپنے ساتھ رضاعی رشتہ داری کو جائز قرار دیتی تھیں۔یہ ازواج حضرت عائشہؓ کو کہتی تھیں کہ اللہ کی قسم! ہم تو یہی سمجھتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم صرف حضرت سالمؓ کے لیے تھا نہ کہ تمام لوگوں کے لیے۔'' علامہ البانیؒ نے اس روایت کو 'صحیح' کہا ہے۔(۸۰) امام ابوداؤد کے نزدیک بھی یہ روایت 'صالح' ہے۔

(۱۱) بعض اوقات آپ کے احکامات 'سداً للذریعۃ' ہوتے ہیں۔یعنی آپ 'کوئی حکم بطور شریعت جاری نہیں کرتے بلکہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی کی طرف لے جانے والے کسی سبب اور ذریعے سے منع کرتے ہیں' حالانکہ وہ سبب اور ذریعہ بذاتہ شرعاً جائز ہوتا ہے۔آپ کے ایسے احکامات کی اتباع بھی ضروری نہیں ہے۔مثلاً ایک دفعہ آپ نے صحابہ ' کو حکم دیا:

((إِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ فِی الطُّرُقَاتِ))قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَالَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا ' نَتَحَدَّثُ فِیْہَا ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((فَإِذَا أَبَیْتُمْ إِلاَّ الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ))قَالُوْا وَمَا حَقُّہٗ؟قَالَ: ((غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ))(۸۱)

''راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔'' صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے راستوں میں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے ' ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم نے میری بات سے انکار کر دیا اور بیٹھنے کی بات کی ہے تو پھر راستے کو اس کا حق دو۔''صحابہ نے عرض کیا کہ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نظر کو جھکا کر رکھنا ' کسی کو تکلیف دینے سے بچنا (تکلیف دہ چیز دور کرنا) ' سلام کا جواب دینا ' معروف کا حکم دینا اور منکر سے منع کرنا۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ ' کو معلوم تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم نے بھی صحابہ کے انکار پر ان پر کوئی دباؤ نہ ڈالا' بلکہ ان کو جس سبب سے یہ حکم جاری کیا تھا اس کی وضاحت کر دی' یعنی راستوں میں بیٹھو لیکن ان کا حق ادا کرو۔ گویا مطلق راستے میں بیٹھنے سے منع کرنا آپ کا مقصود نہ تھا' بلکہ آپ ؐ نے یہ حکم کسی سبب سے جاری کیا تھا اور وہ سبب یہ تھا کہ راستوں میں بیٹھنا لوگوں کو اذیت دینے اور بے حیائی کی طرف لے جانے کا باعث بن سکتا ہے۔

(۱۲) بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقتی ضرر کو دور کرنے اور جزئی مصلحت کے حصول کے لیے کوئی حکم جاری کرتے تھے۔ مثلاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عید الاضحی کے موقع پر صحابہ ؓ کو حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کا گوشت تین دن سے زائد استعمال نہ کریں۔ بعض صحابہ نے اس حکم کو آپ کا ایک مستقل حکم سمجھ لیا' حالانکہ آپ نے یہ حکم ان غریب بدو صحابہ ؓ کی وجہ سے جاری کیا تھا جو اُس عید کے موقع پر آپ کے ساتھ حاضر تھے۔ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اس حکم سے مقصود یہ تھا کہ لوگ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے ان بدو صحابہؓ پر صدقہ کر دیں۔ حضرت سالم ؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی الہ عنہما سے نقل کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم نَھٰی اَنْ تُؤْکَلَ لُحُوْمُ الْاَضَاحِیْ بَعْدَ ثَلَاثٍ ' قَالَ سَالِمٌ فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا یَاْکُلُ لُحُوْمَ الْاَضَاحِیْ فَوْقَ ثَلَاثٍ(۸۲)

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کر دیا۔ حضرت سالم کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ تین دن کے بعد قربانی کا گوشت نہ کھاتے تھے۔'' حضرت علی کا بھی یہی موقف تھا' جیسا کہ امام نوویؒ نے 'شرح مسلم' میں بیان کیا ہے۔ جبکہ باقی صحابہ اس حکم کو ایک مستقل حکم نہیں مانتے اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب اس بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال بدو صحابہ ؓ کی وجہ سے تین دن سے زائد قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا تاکہ لوگ اس کو صدقہ کریں' لیکن اگلے سال آپ نے لوگوں کو تین دن سے زائد بھی قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی۔ روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

((اِنَّمَا نَھَیْتُکُمْ مِنْ اَجْلِ الدَّافَّۃِ الَّتِیْ دَفَّتْ ' فَکُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا))(۸۳)

'' میں نے تم کو تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے بعض بدو صحابہؓ کی وجہ سے منع کیا تھا جو کہ ہمارے پاس آگئے تھے۔ اب تم تین دن کے بعد بھی کھاؤ' ذخیرہ کرو اور صدقہ بھی کرو۔'' اسی طرح صحیحین میں ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ ؓ کو کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور صحابہ نے اس پر عمل بھی کیا' یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ مدینہ کے قرب وجوار میں ہم نے کوئی کتا نہ چھوڑا۔ اسی حدیث کی بنیاد پر مالکیہ کے نزدیک کتوں کو قتل کرنا ایک شرعی حکم ہے جو کہ اب بھی جاری ہے' جبکہ شوافع کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اس کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت جابر ؓ کی روایت ہے' جس کے مطابق آپ نے بعد میں کتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا تھا۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص وقت میں مدینہ اور اس کے ارد گرد کے کتوں کو قتل کرنے کا جو حکم دیا وہ نہ تو کوئی شرعی حکم تھا اور نہ وہ منسوخ ہوا' بلکہ آپ کے زمانے میں پاگل کتوں کی تعداد بڑھ گئی جس کی وجہ سے آپ نے صحابہ ؓ کو کتوں کو مارنے کا حکم دیا تاکہ مسلمانوں کو ضرر سے بچایا جا

سکے۔ بعد میں جب کافی تعداد میں کتے مارے گئے تو آپ نے صحابہ ' کو مزید کتوں کو مارنے سے منع کر دیا۔ لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصود مسلمانوں کو ضرر سے بچانا تھا نہ کہ کوئی شرعی حکم جاری کرنا اور پھر اس کو منسوخ کرنا۔ جیسا کہ ایک صحیح روایت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حدودِ حرم میں جن پانچ چیزوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ان میں ایک 'الکلب العقور' یعنی پاگل کتا بھی ہے۔

(۱۳) بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات بظاہر مطلق ہوتے ہیں لیکن در حقیقت وہ مطلق نہیں ہوتے۔ ایسے احکامات اپنے اطلاق میں سنت نہیں ہوں گے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَتْ تَحْتِي امْرَاَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا ' فَأَمَرَنِيْ اَبِيْ أَنْ أُطَلِّقَهَا ' فَأَبَيْتُ ' فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: ((يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقِ امْرَأَتَكَ))(۸۴)

''ایک خاتون میرے نکاح میں تھیں اور مجھے اس سے محبت تھی' لیکن میرے والد (یعنی حضرت عمر) کو وہ خاتون ناپسند تھیں' تو میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اے عبد اللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔'' اس روایت کو امام ترمذیؒ نے 'حسن صحیح' کہا ہے۔ (۸۵) امام ابن العربی نے 'صحیح' اور 'ثابت' کہا ہے۔ (۸۶) علامہ البانیؒ نے 'حسن' کہا ہے۔ (۸۷) شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو 'صحیح' کہا ہے۔ (۸۸) ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ اس بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو کہا: ((أَطِعْ أَبَاكَ))(۸۹) یعنی اپنے باپ کی اطاعت کر۔ اب اس روایت سے یہ مسئلہ نکالنا کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو یہ حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس مسئلے میں باپ کی اطاعت مطلقاً واجب ہے' درست نہیں ہے۔ 'تحفۃ الاحوذی' اور 'نیل الاوطار' کے مصنفین نے اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے لکھا ہے کہ باپ کے حکم پر بیٹے کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے چاہے کوئی شرعی عذر ہو یا نہ ہو اور اگر ماں بیوی کو طلاق کا حکم دے تو تین گنا زیادہ واجب ہے' کیونکہ حدیث میں ماں کا حق تین گنا زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ موقف درست نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس دو بدو آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے اونٹ کی تلاش میں ایک قبیلے میں جا نکلا اور وہاں ایک لڑکی مجھے پسند آگئی تو میں نے اس سے شادی کر لی' لیکن میرے والدین نے قسم اٹھا کر یہ بات کی ہے کہ وہ اس لڑکی کو اپنے خاندان میں شامل نہیں کریں گے۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس بدو سے کہا:

مَا اَنَا بِالَّذِيْ آمُرُكَ أَنْ تُطَلِّقَ امْرَأَتَكَ وَلَا أَنْ تَعُقَّ وَالِدَيْكَ ' قَالَ فَمَا أَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْمَرْاَةِ؟ قَالَ ابْرَرْ وَالِدَيْكَ(۹۰)

''میں تمہیں نہ تو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو اور نہ ہی یہ مشورہ کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو۔ تو وہ شخص کہنے لگا کہ میں پھر اس عورت کا کیا کروں؟ تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا: اپنے والدین سے حسن سلوک کرو۔'' اسی طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرا باپ پہلے مجھے ایک لڑکی کے ساتھ شادی پر مجبور کرتا رہا اور جب میں نے اس سے شادی کر لی تو اب مجھے حکم دیتا ہے کہ میں اسے طلا ق دے دوں۔ تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا:

مَا أَنَا بِالَّذِیْ آمُرُکَ أَنْ تَعُقَّ وَالِدَکَ وَلَا أَنَا بِالَّذِیْ آمُرُکَ اَنْ تَعُقَّ امْرَاَتَکَ غَیْرَ إِنَّکَ إِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُکَ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ: ((الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَحَافِظْ عَلٰی ذٰلِکَ إِنْ شِئْتَ أَوْ دَعْ))(۹۱)

''میں تمھیں نہ تو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرواور نہ ہی یہ مشورہ کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو۔ہاں اگر تم چاہو تو میں تمھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کر دیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:''باپ جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے۔اگر تو چاہے تو اس کی حفاظت کر اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔''[1] علامہ البانیؒ نے اس حدیث کو 'صحیح' کہا ہے۔(۹۲) اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب اس مسئلے کے بارے میں سوال ہو تو آپ نے سائل سے کہا: اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔اس پر سائل نے جواباً حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والا مذکورہ بالا واقعہ سنا دیا تو امام احمدؒ نے جواب دیا: إِذَا کَانَ أَبُوْکَ مِثْلَ عُمَرَ فَطَلِّقْهَا(۹۳) ''اگر تیرا باپ بھی حضرت عمرؓ کی طرح ہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔'' سعودی علماء کی کمیٹی 'فتاوی اللجنۃ الدائمۃ' سے جب اس بارے میں سوال ہوا تو علماء نے یہ جواب دیا:

علیک إقناع والدک بعدم طلق زوجتک' فإن أصر وجب علیک أن تطلقها

[1] بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے پر سخت ناراض ہوئے تھے اور آخر عمر تک اس سے بات نہ کی۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ بیٹے کا اسلوب مناسب نہ تھا۔حدیث سننے کے بعد اس طرح کا رویہ نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اس کو سنتے ہی رد کر دے، بلکہ اس پر عمل نہ کرنے کا جواز حدیث کے ادب و احترام حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے علمی انداز میں پیش کرنا چاہیے۔

إذا کان ذلک لأمر شرعی' أما إن کان أمرہ بطلاقها بغیر مسوغ شرعی فإنه لا یلزمک طاعته فی ذلک؛ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ))(۹۴)

''تمہارے لیے لازم ہے کہ اپنے والدین کی بات نہ مانو اور بیوی کو طلاق نہ دو'لیکن اگر والدین بیوی کو طلاق دینے پر اصرار کریں اور کسی شرعی عیب کی وجہ سے یہ حکم دے رہے ہوں تو ان کی بات مان لو۔لیکن اگر کسی شرعی سبب کے بغیر طلاق کا حکم دیں تو ان کی اطاعت لازم نہیں ہے'کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''اطاعت صرف معروف میں ہے۔'' اسی طرح داڑھی کے بارے میں بعض روایات میں'

'أَعْفُوا اللِّحٰی' اور 'وَفِّرُوا اللِّحٰی' اور 'أَرْخُوا اللِّحٰی' کے جو الفاظ آئے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ امر مطلق ہے؟ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ ان احادیث میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہے'لیکن کیا مطلق طور پر داڑھی کو چھوڑنا واجب ہے یا کسی حد تک چھوڑنا واجب ہے؟ بعض علماء کے نزدیک داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑنا واجب ہے اور اس میں سے کچھ بھی کتر بیونت جائز نہیں ہے۔علماء کی یہ جماعت آپ کے حکم کو اس کے اطلاق پر باقی رکھتی ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی داڑھی کی کبھی تراش خراش نہیں کی' لیکن بعض صحابہ سے ملتا ہے کہ انہوں نے ایک مشت سے زائد اپنی داڑھی کی تراش خراش کی ہے' جس سے ثابت ہوا کہ ان صحابہ کے نزدیک آپ کا داڑھی رکھنے کا حکم تو وجوب کے لیے تھا لیکن وہ حکم اپنے اطلاق میں واجب نہ تھا۔حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے نبیصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللِّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ))وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهٗ(۹۵)

''مشرکین کی مخالفت کرو' داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کم کرو''۔ اور حضرت عبد اللہ بن عمر جب حج یا عمرہ' کرتے تھے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے تھے اور جو بال مٹھی سے زائد ہوتے تھے ان کو کاٹ دیتے تھے''۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مطلقاً واجب نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے ایک اور شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا' یعنی اس کی داڑھی کی تراش خراش کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی داڑھی کی تراش خراش ثابت ہے۔ اس کی تفصیل 'فتح الباری' میں موجود ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک 'حسن' روایت کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم (یعنی صحابہ) حج اور عمرہ کے علاوہ داڑھی چھوڑے رکھتے تھے' یعنی حج اور عمرہ کے موقع پر ہم داڑھی کی تراش خراش کر لیتے تھے۔ اہل الحدیث علماء میں سے حافظ عبد اللہ محدث روپڑی، حافظ ثناء اللہ مدنی اور حافظ عبد الرحمن مدنی وغیرہم ایک متعین مقدار سے زائد ڈاڑھی کے بال لینے کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (۱۴) بعض اوقات بعض مخصوص حالات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہوتا ہے جس کہ وجہ سے بعض علماء کے نزدیک ان حالات میں آپؐ کے اس حکم پر عمل کرنا سنت پر عمل شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کا حکم ہے:

((لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ))(۹۶)

''اللہ کی بندیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے مسجد جانے کو ناپسند کرتے تھے اور بعض اوقات اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی بیوی سے کہا گیا:

لِمَ تَخْرُجِيْنَ وَقَدْ تَعْلَمِيْنَ أَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ؟(۹۷)

''آپ مسجد کے لیے گھر سے کیوں نکلتی ہیں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ حضرت عمر اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس بات پر غیرت کھاتے ہیں؟'' اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے زمانے کے فتن کو دیکھا تو کہا:

لَوْ أَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ(۹۸)

''اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آج کل کی عورتوں کے حالات دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔'' اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے بلال' کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت سنائی کہ اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو تو حضرت بلال نے جواباً کہا:

وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ' فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ أَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ؟(۹۹)

''اللہ کی قسم ہم تو اِن کو منع کریں گے''۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا: ''میں تم سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم منع کریں گے؟'' بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت بلال نے اپنے والد کو کہا کہ ہمارے زمانے میں عورتیں اگر مسجد میں جائیں گی تو فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے لہٰذا ہم انہیں مسجد میں جانے سے روکیں گے۔ باوجودیکہ حضرت عبد اللہ بن عمر نے حضرت بلال کو ان کے اس جواب پر سرزنش کی☆لیکن خود حضرت عبد اللہ بن عمر بھی شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس اصول (یعنی سد الذرائع) کو مد نظر رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان کے بیٹے نے اس حدیث پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک نے اپنے دورِ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی کو حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حجاز میں قائم شدہ خلافت کو ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس وقت دو افراد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے:
إِنَّ النَّاسَ صَنَعُوْا وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ؟فَقَالَ يَمْنَعُنِيْ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ دَمَ أَخِيْ فَقَالَا اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾فَقَالَ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ وَأَنْتُمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تُقَاتِلُوْا حَتّٰى تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِغَيْرِ اللّٰهِ؟(١٠٠)

''لوگوں نے امانت کو ضائع کر دیا (یعنی حق دار کو امارت و خلافت عطانہ کی) اور آپ حضرت عمر کے بیٹے ہیں' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں' پھر بھی آپ ان ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا مجھے اللہ کا یہ حکم ان کے خلاف خروج سے روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کے خون کو حرام کیا ہے۔ تو اس شخص نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے؟ (یعنی حضرت عبد اللہ بن زبیر' کو بنو امیہ کے فتنے سے نکالنے کے لیے قتال ہونا چاہیے) تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے جواب دیا: ہم نے قتال کیا تھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (یعنی اطاعت) اللہ ہی کے لیے ہو گیا اور تم یہ چاہتے ہو کہ تم قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے؟'' صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر نے آکر کہا کہ آپ ہر سال حج و عمرہ تو کرتے ہیں لیکن اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا: ارکان اسلام پانچ ہی ہیں' یعنی جہاد ان میں شامل نہیں ہے۔ تو اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو یہ حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ اور اگر پھر ان میں کوئی ایک زیادتی کرے تو اس کے خلاف لڑو۔ یہ شخص دراصل حضرت عبد اللہ بن عمر کو کہہ رہا تھا کہ ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ﴾ (الحُجُرٰت:٩) کی نص کے تحت آپ پر ظالم گروہ کے ساتھ قتال واجب ہے۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر نے اسے وہ جواب دیا جو اوپر مذکور ہے۔ (١٦) بعض اوقات کوئی امتی آپ کے حکم کے ظاہر کی بجائے آپ کے مقصود و منشا کو ملحوظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے آپ کے ظاہری حکم پر عمل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں آپ کے ظاہری حکم پر عمل نہ کرنا ہی افضل ہوتا ہے اگرچہ ظاہری حکم پر عمل بھی درست ہوتا ہے۔ مثلاً غزوۂ احزاب کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ سے ان کی بدعہدی کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ' کو حکم دیا کہ وہ بنو قریظہ کی طرف کوچ کریں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے مسلمانوں میں یہ منادی کرائی کہ:

((لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلاَّ فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ))فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ فَصَلُّوْا دُوْنَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ' وَقَالَ آخَرُوْنَ لَا نُصَلِّيْ إِلاَّ حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ' قَالَ: فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ(١٠١)

''تم میں کوئی بھی اُس وقت تک ظہر کی نماز ہر گز نہ پڑھے جب تک کہ وہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔'' تو بعض لوگوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ (بنو قریظہ تک پہنچتے پہنچتے) ہماری نماز کا وقت فوت ہو جائے گا تو انہوں نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی (راستے میں) نماز پڑھ لی' جبکہ صحابہؓ کے ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم اسی جگہ ظہر کی نماز پڑھیں گے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے چاہے ہماری نماز کا وقت ہی کیوں نہ گزر جائے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں گروہوں کے عمل کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے کسی گروہ کے فعل کا انکار نہیں کیا۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے ظاہری حکم کی جن صحابہ نے یہ تأویل کی تھی کہ آپ کا اس حکم سے اصل مقصود یہ تھا کہ بنو قریظہ تک جلدی پہنچو یہاں تک کہ ظہر کی نماز وہاں جا کر پڑھو' وہ تأویل درست تھی اور آپؐ نے ان کے اس فعل کی اپنی تقریر کے ذریعے تصویب فرمائی۔ علاوہ ازیں راستے میں نماز پڑھنے والا گروہ اس لیے افضل ہے کہ اس نے قرآن کے حکم ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ پر بھی عمل کیا۔ (۱۷) بعض اوقات کوئی عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی یہ تأویل کرتا ہے کہ وہ لازمی حکم نہیں ہے لہٰذا وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتا۔ مثلاً حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی بن ابی طالب نے مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والا معاہدہ لکھا اور اس میں 'مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ' کے الفاظ لکھے تو اس پر مشرکین نے اعتراض کیا کہ یہ الفاظ معاہدے میں نہ لکھے جائیں' کیونکہ اگر ہم آپؐ' کو اللہ کا رسول مانتے تو آپؐ سے جنگ نہ کرتے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

((اُمْحُهُ)) فَقَالَ عَلِيٌّ مَا أَنَا بِالَّذِيْ أَمْحَاهُ' فَمَحَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم بِيَدِهٖ (۱۰۲)

''اِن الفاظ کو مٹا دو۔'' حضرت علیؓ نے کہا: میں ان الفاظ کو مٹانے والا نہیں ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں آپ کے حکم کی تعمیل کو آپؐ کی محبت اور اپنے ایمان کے منافی سمجھا لہٰذا انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور آپ کے حکم کی یہ تأویل کی کہ وہ کوئی لازمی حکم نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے 'شرح مسلم' میں اس حدیث کی یہی تأویل بیان کی ہے۔ اس طرح کی اور بھی بیسیوں روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین نے آپ کے ہر حکم کی اتباع کو لازم نہیں سمجھا اور نہ ہی وہ آپ کے ہر قول کو شریعت سمجھتے تھے۔ لیکن یہ فرق کرنا کہ آپ کے کون سے اقوال کا تعلق تشریع سے ہے اور کون سے اقوال ہمارے لیے شریعت نہیں ہیں' یہ کسی عام آدمی کا کام نہیں ہے' بلکہ یہ ان علماء کا کام ہے جن کی زندگیاں حدیث پڑھنے اور پڑھانے میں گزرتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ائمہ سلف میں شارحین حدیث اور فقہاء و محدثین نے یہ کام بحسن و خوبی کیا ہے اور حدیث کی شرح میں جا بجا یہ واضح کیا ہے کہ آپ کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے' اباحت کے لیے ہے یا منسوخ ہے' عام ہے یا خاص' مستقل ہے یا عارضی' مطلق ہے یا مقید' وغیرہ۔ اس مضمون کی اگلی قسط میں ہم اِن شاء اللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اتباع کے حوالے سے بحث کریں گے۔

مقدمہ

علم مصطلح کی تاریخ اور اس کا ارتقاء

مفرداتِ باب

نشأته:... باب نشأ بروزن فتح سے اسم مصدر ہے بمعنی پیدائش، ارتقا، نمو، نشو و نما ہفت اقسام سے مہموز اللام۔

دُوِّنَتْ:... دوّن بروزن تفعیل بمعنی مدون کرنا اور لکھنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

غُضون:... اسے غین اور ضاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ غَضَنٌ کی جمع ہے جو کہ باب غَضِنَ بروزن علم سے مصدر ہے بمعنی دوران، اثناء ہفت اقسام سے صحیح۔

نزیل:... باب نزل بروزن ضرب سے صفت مشبہ کا وزن ہے بمعنی مہمان، وطنی بھائی، رہائشی شریک، اس کی جمع نُزلَاء آتی ہے ہفت اقسام سے صحیح۔

شتات:.... باب شَتَّ بروزن ضرب سے منتشر ہونا ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی۔ ہذا اسم اشارہ: اسی طرح کئی عبارتوں کے شروع میں آتا ہے اس وقت یہ لفظ ''خُذ'' کا مفعول بہ ہوتا ہے یعنی عبارت ایسے ہوئی ''خُذ ہذا'' مطلب ہے آگے آنے والی بات کو تھام لے اور مضبوطی سے پکڑ لے۔ علوم اسلامیہ کی تدوین ہوئی تو علم مصطلح الحدیث اور اس کے اصول بھی مدون کیے گئے۔ البتہ یہ تدوین متفرق اقسام پر مشتمل علمی کتابوں میں تھی۔ جیسا کہ الرسالہ اور الام ہیں۔ یہ دونوں کتب امام شافعی رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ ہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم کا مقدمہ اور جامع ترمذی کا آخر۔ پس جب چوتھی صدی ہجری ہوئی اس میں علوم و فنون پروان چڑھے اور اصطلاحات قائم ہو گئیں تو (سب سے پہلے) قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی المتوفی (۳۶۰ھ) نے فن مصطلح کو اپنی کتاب (المحدث الفاصل بین الراوی والواعی) میں الگ طور پر ابتدائی حالت میں لکھا ہے۔ پھر علماء نے اس فن میں وسعت پیدا کی چنانچہ ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری المتوفی (۴۰۵ھ) آئے اور انہوں نے اس علم میں کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' لکھی لیکن نہ تو اسے اچھی طرح مرتب کر سکے اور نہ ہی احاطہ کر سکے۔ پھر ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی المتوفی (۴۳۰ھ) آئے انہوں نے امام حاکم کی کتاب پر بطور استخراج کام کیا اور کئی چیزیں بعد والوں کے لیے چھوڑ دیں۔ پھر خطیب ابو بکر احمد بن علی بغدادی رحمہ اللہ المتوفی (۴۶۳ھ) آئے انہوں نے روایت کے قوانین میں ''الکفایہ'' اور اس کے آداب میں ''الجامع لاداب الشیخ والسامع'' تصنیف کی۔ نیز انہوں نے حدیث کے اکثر فنون میں الگ الگ کتابیں لکھیں لہٰذا ان کے بعد آنے والا ان کی کتب کا محتاج ہو گیا۔ جیسا کہ حافظ ابو بکر بن نقطہ رحمہ اللہ نے فرمایا۔ پھر قاضی عیاض رحمہ اللہ المتوفی (۵۴۴ھ) آئے۔ انہوں نے اس فن میں ''الالماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع'' نامی کتاب جمع کی۔ پھر ابو حفص عمر المیانجی المتوفی (۵۸۰ھ) نے ایک رسالہ مرتب کیا جس کا نام ''مالایسع المحدث جہلہ'' رکھا۔ ان کے اور دیگر ائمہ کے بعد حافظ ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن المعروف ابن الصلاح دمشقی المتوفی (۶۴۳ھ) آئے چنانچہ جب یہ مدرسہ اشرفیہ المعروف دارالحدیث میں تدریس حدیث پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنی کتاب ''علوم الحدیث'' لکھی جو کہ مقدمہ ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے علم مصطلح کے فنون

کی تہذیب کی اور آہستہ آہستہ املاء کروائی۔ خطیب بغدادی کی متفرق کتب کو اہمیت و توجہ دی اور بکھرے ہوئے مقاصد کو جمع کیا۔ نیز دیگر کتابوں میں سے بھی بعض عمدہ فوائد اس میں ملا دیے۔ لہٰذا ان کی کتاب میں وہ کچھ اکٹھا ہو گیا جو دیگر کتابوں میں متفرق تھا۔ اسی لیے علماء نے اس کتاب پر توجہ دی اور انہی کے طریقے پر چلے چنانچہ ان میں سے کسی نے اس کا اختصار لکھا جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ارشاد طلاب الحقائق میں لکھا ہے اور بلقینی نے محاسن الاصطلاح میں کیا۔ ان میں سے کسی نے اشعار میں لکھا جیسا کہ حافظ عراقی نے اپنی کتاب "الفیۃ الحدیث" میں کیا۔ بعض نے اس پر استدراک کیا اور کسی نے اس کے مخالف کتابیں لکھیں۔

ہذا من انفع الکتب:

اس بات کو مضبوطی سے تھامنا کہ اس فن کی مختصر کتابوں میں سب سے زیادہ نفع بخش حافظ ابن حجر المتوفی (۸۵۲ھ) کی کتاب "نخبۃ الفکر فی مصطلح الاثر" ہے۔ لوگوں کی کثیر تعداد نے اس کی شروحات لکھیں ان میں حافظ ابن حجر بذات خود شامل ہیں۔ ان کے صاحبزادے محمد بن احمد بن حجر، عبدالرؤف مناوی اور محمد بن صادق بن عبدالہادی سندی بھی شرح لکھنے والوں میں سے ہیں۔ اسی طرح ایک جماعت نے نخبۃ الفکر کو نظم میں تحریر کیا۔ ان میں سے ایک شہاب الدین احمد طوفی المتوفی (۸۸۳ھ) اور دوسرے محمد بن اسماعیل امیر صنعانی المتوفی (۱۱۸۳ھ) ہیں۔ مختصر کتب میں سب سے زیادہ اختصار والی "المنظومۃ البیقونیۃ" ہے جو شیخ عمر بن محمد بن فتوح البیقونی الدمشقی کی تحریر کردہ ہے۔ اس کی شرح لکھنے والوں میں نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ المتوفی (۱۳۰۷ھ) ہیں اور اس کا نام "العرجون فی شرح البیقون" رکھا۔ اس فن میں لکھی گئی دیگر کتب میں حسب ذیل بھی شامل ہیں۔

۱۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی از علامہ سیوطی۔

۲۔ فتح المغیث شرح الالفیہ از سخاوی۔ ۳

۔ توضیح الافکار شرح تنقیح الانظار از صنعانی۔

۴۔ قواعد التحدیث از علامہ جمال الدین قاسمی۔

۵۔ توجیہ النظر از جزائری۔ اللہ تعالیٰ تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆

مصطلح الحدیث، اس کا موضوع اور ثمرہ

مفرداتِ باب

خَلَقی اور خُلُقی وصف: .... خَلَقی وصف سے آپ کی تخلیقی صفات مراد ہیں، آپ کے ہاتھوں کا نرم ہونا وغیرہ۔ اور خُلُقی وصف سے مراد آپ کی اخلاقی صفات یعنی اچھا بولنا، حسن خلق، نرم مزاجی وغیرہ وغیرہ۔ مرادف: .... باب رَادَفَ بروزن مفاعلہ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کا مطلب ہم مثل اور ہم معنی ہونا ہے۔ ہفت اقسام سے صحیح۔ متباینان: .... باب تفاعل سے تثنیہ مذکر اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی ایک دوسرے کے مخالف ہونا۔ ہفت اقسام سے اجوف یائی۔

عموم و خصوص مطلق: .... یہ منطقی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کلی دوسری کلی کے تمام افراد پر صادق آئے جب کہ دوسری پہلی کے تمام افراد پر صادق نہ آئے بلکہ کچھ پر آئے۔ مثلاً انسان اور حیوان ہے ہر انسان پر حیوان تو صادق آتا ہے لیکن ہر حیوان کو انسان نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کے تحت گھوڑا، گدھا وغیرہ بھی آتے ہیں۔ اسی طرح یہاں ہے ہر حدیث کو خبر تو کہہ سکتے ہیں لیکن ہر خبر کو حدیث نہیں کہہ سکتے۔

☆☆....☆☆

تعریف: چند اصول و قواعد کو جاننا کہ جن کے ذریعے سند اور متن کے احوال مقبول اور مردود ہونے کی حیثیت سے معلوم ہوں۔

موضوع:

سند اور متن مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے۔

غرض و غایت اور ثمرہ:

صحیح احادیث کو ضعیف روایات سے الگ کرنا۔

☆☆☆

حدیث، خبر، اثر اور دیگر اصطلاحات

مفرداتِ باب

متعبد: .... واحد مذکر اسم مفعول باب تعبد بروزن تفعل بمعنی عبادت کا قصد و ارادہ کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح۔

☆☆....☆☆

الحدیث:

لغوی معنی جدید (نیا) ہے اس کی جمع خلاف قیاس احادیث لائی جاتی ہے۔

اصطلاحی طور پر وہ چیز جس کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو، اس کا تعلق قول سے ہو، فعل سے یا تقریر سے یا وہ خَلقی وصف ہو یا خُلقی۔

الخبر:

لغوی لحاظ سے ''النبأ'' خبر دینے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی اعتبار سے (تین معانی ہیں) حدیث کے ہم معنی قرار دی گئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں متضاد (ایک دوسرے کے برعکس) ہیں چنانچہ حدیث وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو جبکہ خبر وہ ہے جو غیر نبی سے منقول ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ لہٰذا حدیث وہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو جبکہ خبر وہ ہے جو نبی اور غیر نبی سے منقول ہو۔

الاثر:

لغوی اعتبار سے کسی چیز کے بقیہ کو کہتے ہیں اور اصطلاحی اعتبار سے وہ اقوال و افعال جو صحابہ اور تابعین سے روایت کیے گئے ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اثر اور حدیث ہم معنی ہیں۔

الحدیث القدسی:

وہ حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح منقول ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی ہو۔

حدیث قدسی اور قرآن میں فرق:

یہ ہے کہ قرآن مجید اپنے لفظ میں معجز (عاجز کر دینے والا) ہے، اس کی تلاوت سے عبادت کا قصد کیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں تواتر کی شرط لگائی گئی ہے۔

جبکہ حدیث قدسی اعجاز کی (عاجز کر دینے والی) صفت سے متصف نہیں، نہ ہی اس کی تلاوت سے عبادت کا قصد کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کے ثبوت میں تواتر کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ احادیث قدسیہ کی تعداد سو سے زائد ہے ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل کی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لیتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر دیا ہے اور میں نے اسے تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ (الحدیث)

حدیث قدسی کو روایت کرنے کے دو صیغے:

۱۔ ((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فِیْمَا یَرْوِیْہِ عَنْ رَبِّہِ عزوجل))

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات بیان کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔"

۲۔ ((قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ فِیْمَا رَوَاہُ عَنْہُ رَسُوْلُہٗ صلی اللّٰہ علیہ وسلم))

"اللہ تعالیٰ نے وہ بات فرمائی جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کی۔"

☆☆☆

سند

مفرداتِ

الْمُوصِلَۃُ: ....واحد مؤنث اسم فاعل باب اوصل بروزن افعال بمعنی پہنچانا اور لے جانا ہفت اقسام سے مثال واوی۔

☆☆....☆☆

سند:

نون کے فتحہ کے ساتھ تلفظ ہے، لغوی اعتبار سے معنی ہے جس پر اعتماد کیا گیا ہو۔ اصطلاحی لحاظ سے آدمیوں کا وہ سلسلہ جو متن تک لے جائے۔

المتن:

تاء کے سکون کے ساتھ، لغت میں زمین کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو سخت اور بلند ہو۔

اصطلاحی اعتبار سے کلام کا وہ حصہ جہاں سند کا اختتام ہو۔ اسے متن کا نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ سند بیان کرنے والا حدیث کی سند سے اسے قوت بخشا اور اس کے قائل کی طرف بلند کرتا ہے۔ **الاسناد:** اس کے دو معانی ہیں: ۱۔ حدیث کو اس کے قائل کی طرف منسوب کرنا دراں حالیکہ سند بیان کی گئی ہو۔

۲۔ راویوں کا وہ سلسلہ جو متن تک لے جائے۔ اس بنیاد پر یہ سند کا ہم معنی ہوگا۔

☆☆☆

المسنَد

مفرداتِ باب

مرویات: ....جمع مؤنث اسم مفعول باب روی بروزن رمیٰ (ضرب) ہفت اقسام سے لفیف مقرون۔

درایت: ....دریٰ بروزن رمیٰ ضَرَبَ سے اسم مصدر ہے بمعنی جاننا، علم رکھنا ہفت اقسام سے ناقص یائی۔

☆☆....☆☆

المسنَد: نون کے فتحہ کے ساتھ، اس کے دو معانی ہیں:

ا۔ ہر وہ کتاب جس میں ایک صحابی یا زیادہ کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کی گئی ہوں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل کی المسند ہے۔ اسی طرح محمد بن ابراہیم طرسوسی کی مسند عبداللہ بن عمر ہے۔

۲۔ وہ مرفوع حدیث جو سند کے لحاظ سے متصل ہو۔

المسنِد:

نون کے کسرہ کے ساتھ، وہ انسان جو حدیث کو اس کی سند کے ساتھ روایت کرے، برابر ہے کہ اس کے پاس اس کے متعلق علم ہو یا اس کے پاس محض روایت کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

المحدِّث:

وہ انسان محدث کہلاتا ہے جو علم حدیث کے ساتھ روایت اور درایت کے لحاظ سے مشغول ہو اور اکثر احادیث اور ان کے رواۃ کے حالات پر مطلع ہو۔

الحافظ:

اکثر محدثین کے نزدیک یہ محدث کے ہم معنی ہے، کہا گیا ہے کہ حافظ درجہ کے اعتبار سے محدث سے بلند ہوتا ہے وہ اس طرح کہ حافظ ہر طبقہ کے (رواۃ و روایات کے) ایسے اکثر احوال پر مطلع ہوتا ہے جن سے محدث لاعلم ہوتا ہے۔

☆☆☆

خبر کی متواتر اور آحاد کی طرف تقسیم

ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے خبر کی تقسیم متواتر اور آحاد کی طرف ہوتی ہے۔

خبر متواتر:

یہ لفظ تواتر سے لیا گیا ہے جو کہ پے در پے اور لگاتار کو کہتے ہیں، اصطلاحی لحاظ سے وہ حدیث ہے جسے اتنی کثیر تعداد بیان کرے کہ عادتاً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

خبر متواتر کی اقسام: اس کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور معنوی۔

☆☆☆

متواتر لفظی

مفرداتِ باب

مأخوذ: ....واحد مذکر اسم مفعول باب اخذ بروزن نصر بمعنی پکڑنا، لینا ہفت اقسام سے مہموز الفاء۔

متواتر: ....واحد مذکر اسم فاعل باب تواتر بروزن تفاعل ہفت اقسام سے مثال واوی۔

تواطؤہم: .... باب تفاعل سے مصدر ہے بمعنی مجتمع اور اکٹھا ہونا ہفت اقسام سے مثال واوی اور مہموز اللام۔

نَیِّف: ....نون مفتوح اور یاء مشدد مکسور کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، دہائی پر ایک سے تین تک زائد عدد پر بولا جاتا ہے

۔علم نظری: ....وہ علم ہے جو غور و فکر اور تحقیق و جستجو پر موقوف ہو۔

☆☆....☆☆

متواتر لفظی:

وہ روایت ہے جس کے الفاظ اور معنی دونوں متواتر ہوں۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'' ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے'' اسے ستر سے زائد صحابہ نے بیان کیا ہے۔

متواتر معنوی:

وہ ہے جس کا معنی متواتر ہو، نا کہ الفاظ۔اس کی مثالیں کثیر تعداد میں ہیں ان میں سے ایک حدیث موزوں پر مسح کرنے کی جبکہ دوسری عذاب قبر والی ہے۔

متواتر کی شروط: متواتر کی چار شرطیں ہیں:

ا۔کثیر تعداد اسے بیان کرے۔

۲۔رواۃ کی یہ تعداد سند کے تمام طبقات میں پائی جائے۔

۳۔ان سب کا جھوٹ پر متفق اور مجتمع ہونا عادتاً محال ہو۔

۴۔ان کی خبر کا اعتماد حس پر ہو (یعنی کہیں ہم نے سنا ہم نے دیکھا وغیرہ)۔اس بات کو مضبوطی سے لینا۔ معتبر بات یہی ہے کہ خبر متواتر علم ضروری (علم یقینی) کا فائدہ دیتی ہے۔ علم ضروری وہ علم ہے جس کی طرف انسان اس طرح مجبور ہو کہ اسے رد نہ کر سکے (مثلاً آنکھوں دیکھا حال)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خبر متواتر صرف علم نظری کا ہی فائدہ دیتی ہے لیکن اس موقف کی کوئی وقعت نہیں کیونکہ تواتر کے ذریعہ اس انسان کو بھی علم حاصل ہو جاتا ہے جس میں نظر کی اہلیت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ عام آدمی ہے۔

☆☆☆

اخبار الآحاد

مفرداتِ باب

لم تتفر: ....واحد مؤنث غائب فعل جحد مجہول باب توفر بر وزن تفعل بمعنی کسی چیز کا موجود ہونا ہفت اقسام سے مثال واوی۔

☆☆....☆☆

الآحاد: یہ اَحَدٌ کی جمع ہے بمعنی واحد بمعنی ایک، خبر واحد لغوی اعتبار سے اس حدیث کو کہتے ہیں جسے ایک شخص بیان کرے اور اصطلاحی لحاظ سے وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی شروط نہ ہوں۔ یہ ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ لیکن یاد رکھیں خبر واحد پر عمل کرنا قطعی اور یقینی طور پر متعین ہے۔امام ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا: اکیلے عادل راوی کی روایت اپنے ہم مثل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک علم اور عمل دونوں کو لازم کرتی ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک خبر واحد کے تمام راوی عادل ہوں تو اس سے علم یقینی اور عمل دونوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے)۔

☆☆☆

خبر آحاد کی تقسیم

مفردات باب

الالسنۃ: ....لسان کی جمع ہے بمعنی زبان۔

العجلۃ: .... عین اور جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی جلد بازی ہے۔اسم مصدر باب عجل بروزن علم ہے ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الشیطان: .... باب نصر سے اسم مصدر ہے بمعنی گمراہ کن، شریر اور خبیث روح۔

☆☆....☆☆

خبر واحد کی تین اقسام ہیں: مشہور، عزیز اور غریب۔

خبر مشہور:

لغوی اعتبار سے وہ بات ہے جو زبانوں پر مشہور ہو جائے خواہ حقیقت میں وہ جھوٹ ہی ہو، جیسا کہ روایت ہے کہ: "وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے" یا جس طرح یہ حدیث کہ: "تمہارے روزے کا دن تمہاری قربانی کا دن ہے (یعنی جس دن پہلا روزہ ہو گا اسی دن عیدالاضحیٰ کا پہلا دن آئے گا)۔ اصطلاحی لحاظ سے وہ روایت ہے جسے تین یا زیادہ راوی جو حدِ تواتر کو نہیں پہنچتے بیان کریں۔ اسے مشہور اس کی شہرت اور پھیلاؤ کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ اصول حدیث کے بعض ماہرین نے اسے مستفیض کا نام بھی دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ مستفیض زیادہ خاص ہے مشہور سے کیونکہ اس (مستفیض) میں سند کی دونوں اطراف کا تعداد کے اندر برابر ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔

اس کی مثالوں میں سے حدیث: "مَنۡ دَلَّ عَلٰی خَیۡرٍ فَلَہٗ مِثۡلُ اَجۡرِ فَاعِلِہٖ" ہے۔ جس نے بھلائی کے کام پر کسی کی راہنمائی کی تو اس کے لیے اس نیکی کرنے والے کی مثل اجر ہے۔ (مسلم)

اسی طرح حدیث: "اَلۡعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیۡطَانِ" ہے۔ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

☆☆☆

خبر عزیز

جسے دو راوی بیان کریں خواہ ایک طبقہ میں ہی ہوں۔ اس کی مثال بخاری و مسلم کی روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نیز امام بخاری نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَایُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ

مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ" تم میں سے کوئی ایک مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اسے عزیز کا نام یا تو اس کی قوت کی وجہ سے دیا گیا ہے کہ یہ دوسری سند سے بھی آتی ہے یا اس کی قلّت اور ندرت کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔ باب عَزَیَعِزُ عِزًّاوَعِزَّۃً فعل مضارع اور ان دونوں مصادر کا عین مکسور ہو گا۔ وعَزَارَۃً سے یہ ماخوذ ہے۔ وہ چیز عزیز ہو گئی اور اتنی کم ہو گئی کہ قریب ہے کہ پائی نہ جائے (عزیز روایت مشہور اور غریب کی نسبت کم پائی جاتی ہے) وجہ تسمیہ بیان کرنے والوں میں سے کسی نے پہلا معنی ملحوظ رکھا ہے اور کسی نے دوسرا۔ اس بات کو مضبوطی سے تھامنا کہ جمہور کے ہاں حدیث کے صحیح ہونے میں اس کا عزیز ہونا شرط نہیں۔ یہ نظریہ اس شخص کے خلاف ہے جو اسے شرط خیال کرتا ہے۔ مثلاً ابو علی جبائی، ابن العربی اور حاکم۔ امام صنعانی نے نظم النخبۃ میں شعر کہا ہے:

ولیس شرطاً للصحیح فاعلم

وقیل شرطٌ وہو قول الحاکم

عزیز ہونا صحیح کے لیے شرط نہیں جان لے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرط ہے یہ قول حاکم کا ہے۔

خبر غریب:

اسے فرد کا نام بھی دیا گیا ہے۔ خبر غریب وہ ہے جسے ایک راوی بیان کرے۔ اس کی مثال حدیث: "اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ" ہے۔ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اسے بیان کرنے میں یحییٰ بن سعید انصاری منفرد ہے محمد بن ابراہیم تیمی سے اور وہ علقمہ سے وقاص لیثی سے اور وہ عمر بن خطاب سے منفرد ہے۔ یحییٰ بن سعید انصاری سے بہت زیادہ خلقت نے اسے روایت کیا ہے۔

☆☆☆

خبر غریب کی تقسیم

مفرداتِ باب

ولاء: ....واؤ کے فتحہ کے ساتھ، وہ رشتہ وراثت ہے جو آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے غلام کے مابین قائم ہوتا ہے۔ محبت، دوستی، نزدیکی اور قربت وغیرہ۔ اس جگہ پہلا معنی مراد ہے۔ مظانّہ: ....ظَنَّ بروزن مَدَّ (نصر) سے ظرف کا صیغہ ہے اس کی واحد مَظَنٌّ ہے بمعنی وہ جگہ جہاں کسی چیز کے پائے جانے کا اندیشہ اور گمان ہو ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

مطلق اور نسبی کی طرف غریب کی تقسیم ہوتی ہے۔

غریب مطلق:

اس کا نام فرد مطلق بھی رکھا گیا ہے اس حدیث کو غریب مطلق کہتے ہیں۔ جس کی اصل سند میں تفرد اور غرابت واقع ہو۔ اصل سند سے مراد صحابی والی طرف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ صحابی سے روایت کرنے میں ایک تابعی آکیلا رہ جائے اور اس پر متابعت نہ کی گئی ہو۔ اس کی مثال ولاء کی خرید وفروخت اور اسے ہبہ کرنے کی ممانعت والی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرنے میں عبداللہ بن دینار متفرد اور آکیلا رہ گیا ہے۔ اسے امام مالک نے الموطا میں نقل کیا ہے۔ بسا اوقات سند کے تمام رواۃ یا اکثر میں تفرد چلتا ہے۔ ایسی روایات کے پائے جانے کی جگہ مسند بزار اور المعجم الاوسط للطبرانی ہے۔

غریب نسبی:

نون مکسور کے ساتھ۔ اسے فرد نسبی کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اور یہ وہ حدیث ہے کہ جس کی سند کے درمیان میں غرابت اور تفرد واقع ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ گویا اسے بیان کرنے میں تبع تابعی یا اس سے نیچے کوئی راوی آکیلا رہ گیا ہو۔ یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں کسی خاص شخص اور راوی کی بنسبت تفرد واقع ہوتا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات حدیث مشہور ہوتی ہے۔ اس کی مثال امام مالک کی زہری سے بیان کردہ حدیث ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت لیتا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور دراں حالیکہ آپ کے سر پر خود تھا۔ (بخاری و مسلم)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: لفظ فرد کا نسبی پر اطلاق قلیل ہے اور زیادہ تر اس لفظ کا غریب مطلق پر اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ لفظ غریب کا نسبی پر بکثرت اطلاق ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گو ان دونوں کے ناموں کے ساتھ لفظ فرد بھی آتا ہے لیکن جہاں آکیلا لفظ استعمال ہو گا وہاں عموماً غریب مطلق مراد ہوتی ہے۔ جبکہ جہاں لفظ غریب آکیلا آئے تو عموماً غریب نسبی مراد ہوتی ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مناسب الفاظ کے ساتھ خالی جگہ پر کیجیے:

ا۔ اصول حدیث میں ۔۔۔۔ نے ہر فن میں مستقل کتاب تحریر کی۔

۲۔ مقدمہ ابن صلاح کے مصنف ۔۔۔۔ ہیں۔

۳۔اس فن میں سب سے زیادہ مفید کتاب کا نام . . . . ہے۔

۴۔اصول حدیث کی مختصر کتب میں سے زیادہ اختصار والی کتاب . . . . ہے۔

۵۔اصول حدیث میں سب سے زیادہ توجہ . . . . کتاب کو دی گئی۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے:

۱۔اصول حدیث میں لکھی گئی کتب میں سے صرف پانچ کے نام مع مصنفین تحریر کیجیے۔

۲۔اصول حدیث کی تاریخ پر بالاختصار روشنی ڈالیے۔

۳۔علم مصطلح الحدیث کی تعریف، موضوع اور اس کا فائدہ تحریر کیجیے۔

۴۔اگر کسی حدیث کی سند صحیح ہو تو اس کا متن رد کیا جاسکتا ہے؟

۵۔ خلقی و خُلقی وصف سے کیا مراد ہے؟

۶۔ خبر اور حدیث میں کیا فرق ہے؟ ۷

۔حدیث قدسی اور قرآن مجید میں کیا فرق ہے؟

۸۔ متن کی وجہ تسمیہ تحریر کیجیے۔

۹۔ درایت سے کیا مراد ہے؟

۱۰۔ متواتر کی کیا شروط ہیں؟

۱۱۔کچھ محدثین نے خبر کے صحیح ہونے کے لیے اس کے عزیز ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ وجہ بتلایے۔

۱۲۔ خبر واحد کی تعریف کیجیے نیز خبر آحاد کی اقسام کی بالاختصار وضاحت کیجیے۔

۱۳۔فرد مطلق کسے کہا جاتا ہے؟

۱۴۔کیا کوئی حدیث مشہور ہونے کے باوجود غریب بھی ہو سکتی ہے؟

۱۵۔ غریب نسبی کسے کہتے ہیں؟

مندرجہ ذیل میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ حافظ اور محدث مترادف الفاظ ہیں۔

۲۔ لفظ بِّضع تین سے دس تک اعداد پر بولا جاتا ہے۔

۳۔ خبر کی متواتر اور احاد میں تقسیم اپنے سند کی صحابہ تک انتہاء کے لحاظ سے تقسیم ہے۔

۴۔ علم نظری کا مطلب علم ضروری ہے۔

۵۔ خبر متواتر کے مقابلے میں خبر آحاد ہے۔

۶۔ غریب اور ضعیف ہم معنی ہیں۔

☆☆☆

اخبار آحاد کی مقبول اور مردود کی طرف تقسیم

مفرداتِ باب

تلقی: .... مصدر سے باب تلقّٰی یتلقّٰی بروزن تفعل بمعنی ملنا۔

مثلا: .... جہاں پر بھی یہ ایسے نصبی حالت میں آئے گا وہاں یہ مفعول مطلق ہو گا یعنی مَثَلْتُ مثلًا میں نے مثال بیان کی مثال بیان کرنا۔

العلل: .... یہ عِلَّۃٌ کی جمع ہے، بمعنی بیماری اور عیب۔

المتبحر: .... واحد مذکر اسم فاعل باب تبحر بروزن تفعل بمعنی بہت وسعت والا ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

حجج: .... حجۃ کی جمع ہے بمعنی دلیل۔

المحتف: .... واحد مذکر اسم مفعول باب احتَفَ بروزن افتعال بمعنی احاطہ کرنا اور گھیرنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

مشہور اور عزیز اور غریب یعنی اخبار آحاد کی تقسیم مقبول اور مردود کی طرف ہوتی ہے۔

خبر مقبول اور اس کا حکم:

خبر مقبول وہ حدیث ہے جس کے ساتھ دلیل پکڑی جائے۔ (یعنی جو قابل حجت ہو) اس کے حکم میں اختلاف کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ بات جس پر علماء صحابہ و تابعین، اور ان کے بعد والے محدثین و فقہاء میں سے جو ہیں۔ (وہ یہ ہے) کہ اکیلے ثقہ راوی کی خبر شرعی حجتوں میں سے ایک حجت ہے اور اس کے ساتھ عمل کرنا لازم اور ضروری ہے۔

محتف بالقرائن خبر واحد اور اس کی اقسام

بلاشبہ قرائن سے گھیری گئی خبر واحد راجح ہوتی ہے اس (خبر واحد) سے جو ان قرائن سے خالی ہو، اس کی کئی اقسام ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ وہ حدیث جسے شیخان یعنی بخاری و مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں نقل کیا اور وہ حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔ پس بے شک اسے قرائن نے گھیرا ہے ان میں سے بخاری و مسلم کا اس فن (فن حدیث) میں بلند رتبہ ہونا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنے میں ان دونوں کا دیگر محدثین پر ممتاز ہونا، نیز علماء کا ان کی دونوں کتابوں کو قبولیت کے ساتھ ملنا (ہی اس بات کی دلیل ہے کہ قرائن نے اسے گھیرا ہے [ابوسفیان])۔

۲۔ ایسی خبر جس میں حفاظ، متقن امام مسلسل آرہے ہوں اور وہ حدیث غریب بھی نہ ہو۔ مثلاً ایک حدیث ہے جسے امام احمد نے امام شافعی سے روایت کیا اور منفرد بھی نہیں۔ اور امام شافعی اس حدیث کو امام مالک سے اور وہ امام نافع سے روایت کرتے ہیں۔

۳۔ وہ خبر مشہور جس کی مختلف سندیں ہوں اور تمام کی تمام رواۃ کے ضعف اور علتوں سے محفوظ ہوں۔ یہ ایسی اقسام ہیں ان کے متعلق علم حاصل نہیں ہوتا سوائے اس عالم کے جو علم حدیث میں متبحر اور رواۃ کے حالات و علتوں سے واقف ہو۔

☆☆☆

خبر مقبول کی تقسیم صحیح اور حسن کی طرف

مفرداتِ باب

استحضارہ: .... باب استفعال سے مصدر ہے بمعنی حاضر کرنا اور سامنے لانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یصون: .... واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب صان بروزن نصر بمعنی حفاظت کرنا اور بچا کر رکھنا ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔
مُعَلّ: .... واحد مذکر اسم مفعول باب اَعَلَّ بروزن افعال بمعنی عیب دار اور بیمار کرنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

شاذ: ....واحد مذکر اسم فاعل باب شَذَّ بروزن نصر اور ضرب بمعنی علیحدہ ہونا اور الگ ہونا۔

عدل: .... باب عَدَل بروزن ضرب سے مصدر ہے بمعنی انصاف کرنا اور عادل ہونا، یہاں یہ مصدر اسم فاعل یعنی عادل کے معنی میں ہے۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ راوی اتنا عادل ہے کہ وہ خود ہی انصاف اور عدل بن گیا ہے۔ اس لیے عادل کی جگہ مصدر کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

☆☆....☆☆

خبر مقبول اپنے مراتب کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ اور حسن لغیرہ کی طرف منقسم ہوتی ہے۔

صحیح لذاتہ: صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے جسے مکمل ضبط والا عادل راوی اپنے ہم مثل سے نقل کرے، سند متصل ہو اور معلل و شاذ نہ ہو۔

تعریف کی شرح:

عادل سے مراد وہ عاقل بالغ مسلمان ہے جو کبیرہ گناہ کے ارتکاب یا صغیرہ گناہ پر اصرار کے نتیجے میں لازم آنے والے فسق سے محفوظ ہو، نیز ایسی بری عادت سے بھی بچا ہو جو مروت میں خلل ڈالتی ہے۔ عادل کی قید لگانے سے جھوٹ بولنے والا، متہم بالکذب، فاسق بدعتی اور مجہول راوی نکل گیا۔

ضبط

حافظے میں مضبوطی اور پختہ ہونا اس کی دو اقسام ہیں:

(۱) ضبط الصدر: وہ ہے جو کچھ راوی نے (اپنے استاد سے) سنا اسے اپنے سینے میں اس لحاظ سے محفوظ رکھے کہ جب چاہے اسے حاضر کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔

(۲) ضبط الکتاب:

راوی اپنی کتاب کو اپنے پاس بچا کر محفوظ رکھے جب سے اس نے سنا ہے اور اس کی تصحیح (بھی) کی ہو۔ یہاں تک کہ آگے ادا کر دے۔ یعنی آگے پہنچا دے۔

تام الضبط کی قید سے وہم کا شکار ہونے والا، فاش غلطیاں کرنے والا، زیادہ غفلت والا، ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے والا، برے حافظے والا اور کمزور ضبط والا راوی خارج ہو جاتا ہے۔

متصل کی سند کی قید لگا کر اس روایت سے بچا گیا ہے۔ جس کی سند متصل نہیں مثلاً معلق وغیرہ۔ روایت معلل اور شاذ نہ ہو کی قید سے وہ روایات خارج کر دی گئی ہیں جو معلل اور شاذ ہیں۔

المعلُّ:

لغوی اعتبار سے وہ خبر ہے جس میں علت ہو، اور اصطلاحی اعتبار سے وہ ہے جس میں (ایسی) مخفی علت ہو جو صحت خبر میں عیب لگانے والی ہے باوجود اس کے کہ وہ ظاہری طور پر اس سے محفوظ ہو۔

شاذ:

لغوی لحاظ سے اکیلا رہنے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاحی طور پر وہ روایت ہے جس میں راوی اپنے سے زیادہ راجح کی مخالفت کرے اس کی ایک اور بھی تفسیر ہے جو عنقریب آئے گی۔ (ان شاء اللہ)

☆☆☆

صحیح کے مراتب

مفرداتِ باب

المقتضیۃ: ....واحد مؤنث اسم فاعل باب اِقۡتَضٰی یقتضی بروزن افتعال بمعنی تقاضا کرنا اور چاہنا ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

☆☆....☆☆

صحت کا تقاضا کرنے والے اوصاف کے مختلف ہونے کی وجہ سے صحیح حدیث کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ جس کے راوی عدالت، ضبط اور ایسے تمام اوصاف میں بلند رتبہ میں ہوں جو ترجیح کو لازم کرتے ہیں، تو وہ حدیث اپنے سے کم تر روایات سے زیادہ صحیح ہوگی۔

بلند ترین مرتبہ میں سے وہ ہے کہ جس پر بعض ائمہ نے اصح الاسانید کا لفظ بولا ہے، مثلاً مالک روایت کریں جناب نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یا جس طرح ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے۔ درجہ کے لحاظ سے اس سے کم جیسے کہ حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ ہے اس سے (بھی) کم رتبہ میں جس طرح سہیل بن ابی صالح کی روایت ہے عن ابیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اِس برتری کے ساتھ صحیح (درج ذیل) سات اقسام کی طرف منقسم ہونا بھی منسلک ہے:

۱۔ وہ حدیث جس پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہو۔

۲۔ جسے بیان کرنے میں بخاری منفرد ہے۔

۳۔ جسے نقل کرنے میں مسلم منفرد ہے۔

۴۔ وہ حدیث جو ان دونوں کی شروط پر ہو لیکن انہوں نے اسے (اپنی اپنی کتاب میں) نکالا نہیں۔

۵۔ وہ جو (فقط) بخاری کی شرط پر ہو (لیکن بخاری میں نہ ہو)۔

۶۔ وہ روایت جو (فقط) مسلم کی شرط پر ہو (لیکن صحیح مسلم اس میں نہ ہو)۔

۷۔ ان دونوں کے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک حدیث صحیح ہو، مثلاً امام ابن خزیمہ اور ابن حبان بشرطیکہ بخاری و مسلم کی شروط پر نہیں۔

☆☆☆

بخاری و مسلم کی شرط

مفرداتِ باب

اصح: ....واحد مذکر اسم تفضیل باب صَحَّ بروزن ضرب بمعنی ہر عیب سے پاک و صاف ہونا ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی۔

التفاضیل: .... باب تفاعل سے مصدر بمعنی ایک دوسرے پر برتری ظاہر کرنا ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الباحثون: ....جمع مذکر اسم فاعل باب بحث بروزن منع بمعنی کھودنا، تلاش کرنا، تفتیش کرنا ہفت اقسام سے صحیح۔

مراعاۃ: .... مصدر ہے باب رَاعٰی بروزن مفاعلہ سے، بمعنی رعایت رکھنا، حفاظت کرنا ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

☆☆....☆☆

امام بخاری و مسلم سے اس قسم کی کوئی شرط منقول نہیں جو انہوں نے لگائی اور متعین کی ہو البتہ ان دونوں کے اسلوب اور طریقے پر تحقیق کرنے والے علماء نے جستجو کی یہاں تک کہ اِن کو اُن کی باتوں کا حصول ہوا جنہیں یہ شرائط سمجھ بیٹھے اسی لیے علماء کا اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

امام نووی کی کہی بات یہاں تحریر کرتے ہیں اور اسے حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں پسند کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کا مطلب یہ ہے کہ حدیث ان دونوں کی کتب یا ان میں سے ایک کتاب کے رواۃ کی سند سے مروی ہو، ساتھ میں اس کیفیت کی بھی رعایت ہو جس کا دونوں ائمہ نے ان راویوں سے روایت لیتے وقت التزام کیا ہے۔

حسن لذاتہ

مفرداتِ باب

تعددتْ: ....واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب تَعَدَّ بروزن تفعل بمعنی متعدد ہونا ایک سے زائد ہونا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

وہ حدیث ہے جسے خفیف ضبط والا عادل راوی بیان کرے، سند متصل ہو، معلل اور شاذ نہ ہو۔ یہ روایت صحیح لذاتہ کی تمام شروط کا احاطہ کرنے والی ہے۔ البتہ اس کے بعض راویوں میں ضبط خفیف ہو جاتا ہے۔ حجت پکڑنے میں یہ صحیح کے ساتھ شریک ہے۔ صحیح کی مثل حسن بھی کئی مراتب پر ہے۔

حافظ ذہبی نے فرمایا: حسن روایت کا سب سے اعلیٰ مرتبہ بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ جدہ ہے۔

صحیح لغیرہ:

وہ حسن لذاتہ ہے جب اس کی سندیں متعدد ہو جائیں، اسی سبب اس میں قوت آجاتی ہے اور حسن کے درجہ سے صحیح کے رتبہ تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ لذاتہ نہیں بلکہ لغیرہ صحیح ہوتی ہے۔ اس کی مثال محمد بن عمرو بن علقمہ کی روایت ہے وہ ابو سلمہ سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِی لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلَاۃٍ))

"اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی نے کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے کیونکہ یہ کئی سندوں سے مروی ہے۔ اس بات کو مضبوطی سے پکڑنا، یاد رہے کہ یہ مطلق حدیث کی مثال نہیں بلکہ محمد بن عمرو کی روایت سے مقید ہونے کی وجہ سے ہے وگرنہ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن صلاح نے فرمایا: محمد بن عمرو بن علقمہ صدق و عدالت کے ساتھ مشہور لوگوں میں سے ہے لیکن اہل اتقان (پختہ ضبط والوں) میں سے نہیں، یہاں تک کہ بعض محدثین نے برے حافظے کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ بعض محدثین نے صداقت و عدالت کی وجہ سے اس کی توثیق کی ہے۔ لہٰذا اس جہت سے اس کی حدیث حسن درجہ کی ہوئی۔

☆☆☆

حسن لغیرہ

مفرداتِ باب

اَشُقَّ: ....واحد متکلم فعل مضارع معروف باب شَقَّ بروزن نصر بمعنی مشقت میں ڈالنا، ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

السِواک: ....بکسر السین، اسم مصدر باب ساک یسوک بروزن نصر بمعنی رگڑنا اور ملنا، ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے، اس کی جمع سُوُکٌ آتی ہے۔ یہاں یہ مصدر مسواک (اسم آلہ) کے معنی میں یعنی دانت صاف کرنے کی لکڑی۔ خبر متوقف: ....وہ خبر ہے جس پر صحیح یا حسن کا حکم لگانے میں توقف کیا گیا ہو۔

طَرَأَ: ....واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب طَرَأَبروزن منع، بمعنی آنا۔ ہفت اقسام سے مہموز الفاء ہے۔

☆☆....☆☆

حسن لغیرہ:

وہ روایت ہے جس کو قبول کرنے سے توقف کیا گیا ہو، مثلاً مستور یا اس جیسے دوسرے راوی کی روایت ہے۔ یہ حسن لغیرہ اس وقت ہوگی جب درج بالا صفت کے حامل راوی کی متابعت اس جیسے ہی یا اس سے قوی کے ساتھ آجائے۔ اس روایت کی اصل ضعیف ہی ہے البتہ اس پر حسن کا نام متابع کی وجہ سے تقویت مل جانے سے آیا ہے۔ اس کی مثال ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ ہے: "لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ" اسلام میں نہ ضرر ہے (یعنی دوسرے کو نقصان دے کر اپنا فائدہ کرنا) اور نہ ہی ضرار ہے (یعنی دوسرے کو نقصان دینا اور اپنا فائدہ بھی نہ ہو) دار قطنی اور حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں ان میں سے کوئی بھی مقال (تنقید) سے خالی نہیں لیکن وہ ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں اسی لیے امام نووی اور ابن صلاح نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

ترمذی وغیرہ کا حدیث حسن صحیح کہنا:

مذکورہ عبارت اشتباہ پیدا کرتی ہے کیونکہ حسن روایت صحیح کے درجہ سے نیچے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک حدیث میں کمی کا اثبات اور نفی کیسے جمع ہوسکتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا کہ جس حدیث پر حسن اور صحیح کے دونوں وصف بولے گئے ہوں گے وہ اس بات سے خالی نہیں کہ یا تو وہ غریب ہے جسے بیان کرنے میں راوی اکیلا رہ گیا ہے یا غریب نہ ہوگی۔

پہلی صورت میں دونوں اوصاف کے مابین جمع کرنے کا سبب اسے بیان کرنے والے منفرد راوی کے متعلق اس امام کا تردد ہوگا آیا وہ مکمل ضابط ہے؟ تو اس کی حدیث صحیح ہے یا کہ خفیف الضبط ہے؟ تو اس کی حدیث حسن ہے۔ پوشیدہ عبارت ہوگئی "حسن یا صحیح" ایسی روایت اس سے کم مرتبہ ہوگی جس کے متعلق پختہ طور پر صحیح کا حکم لگایا گیا ہے۔ دوسری صورت پر یعنی حدیث کے غریب نہ ہونے کی شکل میں یہ اجتماع دو سندوں کے اعتبار سے ہوگا، ان میں سے ایک صحیح اور دوسری حسن ہے۔ لہٰذا اس پر دونوں وصف اس کی دو سندوں کے اعتبار سے بولے گئے ہیں۔ یہ روایت

اس حدیث سے قوی ہوگی جس کے متعلق صرف صحیح ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔ اس کی مثال یہ حدیث: ''اگر یہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''۔ بخاری اور مسلم نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے بھی اسے نقل کیا ہے (لیکن) محمد بن عمرو جس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے کی سند سے اور اس کی روایت کو صحیح اور حسن کہنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ لہٰذا امام ترمذی نے اس پر حسن اور صحیح کا اکٹھا ہی لفظ بول دیا۔ حافظ ابن دقیق العید نے فرمایا: حسن اور صحیح میں کوئی منافات (تضاد) نہیں مگر جب حسن کا وصف اکیلا ہوگا (پھر تضاد ہوگا) کیونکہ وہ صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ جب حدیث صحت کے رتبہ پر پہنچ جائے گی تو لا محالہ اسے حسن کا وصف جو صحت کا تابع ہوتا ہے حاصل ہوگا کیونکہ اعلیٰ درجہ ادنی درجہ کے وجود کی نفی نہیں کرتا لہٰذا درست ہے کہ کہا جائے یہ روایت ادنی درجہ کے لحاظ سے حسن اور اعلیٰ صفت کے اعتبار سے صحیح ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ امام بخاری و مسلم نے اپنی کتب کے لیے کوئی شرائط ملحوظ نہیں رکھیں۔

۲۔ مستور راوی سے مراد یہ ہے کہ جس راوی کے حالات سے لا علمی ہو۔

۳۔ حسن لغیرہ روایت کی اصل یہ ہے کہ اسے ضعیف سمجھا جائے گا۔

۴۔ مرتبہ میں حسن لذاتہ صحیح لغیرہ سے بلند ہے۔

۵۔ اصح الاسانید سے مراد وہ روایت ہے جس کی سند بہت اعلیٰ پائے کی ہو۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ قرینہ کسے کہا جاتا ہے؟

۲۔ محتف بالقرائن کس روایت کو کہا جاتا ہے؟

۳۔ ان قرائن کا تذکرہ کیجیے جن سے کسی حدیث کی حیثیت بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ عادل راوی کسے کہا جاتا ہے؟

۵۔ صحیح روایت کی شرائط تحریر کیجیے۔

۶۔ صحیح لذاتہ کسے کہا جاتا ہے؟ نیز ہر شرط کی الگ توضیح بھی کیجیے۔

۷۔اصح الاسانید کی مثال میں کوئی سند ذکر کیجیے۔

۸۔ایک جملے میں بتایئے کہ صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ میں کیافرق ہے؟

۹۔ کوئی مثال دیجیے اور اس پر صحیح لغیرہ کے اصول کا انطباق کیجیے۔

۱۰۔امام ترمذی کی حسنٌ صحیحٌ کی وضاحت کیجیے۔کیاایک ہی روایت ایک وقت میں صحیح اور حسن ہو سکتی ہے؟

☆☆☆

امام ترمذی کا کسی حدیث کو حسن غریب کہنا

مفرداتِ باب

القصور: ....اسم مصدر ہے باب قَصَرَ بروزن نصر سے بمعنی کسی کام سے عاجز رہنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

اقویٰ: ....واحد مذکر اسم تفضیل باب قَوِی بروزن علم بمعنی مضبوط اور طاقت ور ہونا۔ ہفت اقسام سے لفیف مقرون ہے۔

منافات: .... مصدر ہے باب نافٰی یُنَافی بروزن مفاعلہ بمعنی منافی اور مخالف ہونا، ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

العُلیا: ....واحد موٴنث اسم تفضیل باب علیٰ یعلو بروزن نصر ینصر، سب سے زیادہ بلند۔ ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

الدنیا: ....واحد موٴنث اسم تفضیل باب دنا یدنو بروزن نصر ینصر، بمعنی سب سے زیادہ قریب۔ ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

بملخصہ: .... ملخص اسم مفعول واحد مذکر ہے باب لَخَّص تفعیل سے معنی خلاصہ۔

معًا: .... یہ ظرف ہے اس کا استعمال دو طرح ہوتا ہے۔

ا۔ مضاف ہوتا ہے اس وقت دو حرفی ہوگا اور تین معانی ہوں گے۔

(ا) مقام اجتماع (۲) زمان اجتماع (۳) عند کے معنی میں

۲۔ مضاف نہ ہو، اس وقت اسم مقصور منصوب ہوگا اور منون یعنی تنوین کے ساتھ ہوگا جیسا کہ اس مقام پر مذکور ہے اور اس وقت اس کا نصب ظرفیت کی بنا پر ہوگا جیسے: ''خرجنا معًا'' (فی زمانٍ واحدٍ) ''وکنّا معًا'' (فی زمانٍ واحدٍ)۔

☆☆....☆☆

امام ترمذی کا حسن اور غریب کو اکٹھا کرنے پر بعض محدثین نے تنقید کی ہے کیونکہ امام ترمذی کے نزدیک حسن وہ روایت ہے جو ایک سے زائد سندوں سے مروی ہو جبکہ غریب وہ ہے جس کو بیان کرنے والا ایک راوی رہ جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: بے شک امام ترمذی کی یہ اصطلاح ہر اس حدیث پر محمول کی جائے گی جس کے متعلق امام صاحب نے فقط حسن کا وصف بولا ہے۔ لیکن جس کو حسن اور غریب کے ساتھ اکٹھا ہی متصف کیا تو اس سے جمہور کی اصطلاح کے مطابق حسن مراد ہوگی۔ اور جمہور محدثین کی اصطلاح کے مطابق حسن اور غریب میں کوئی تضاد نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

جن لوگوں نے امام ترمذی پر طعن و تشنیع کے تیر چلائے انہوں نے امام صاحب کی اکثر باتوں میں ان کا مفہوم نہیں سمجھا کیونکہ محدثین کہتے ہیں کہ ''ہٰذا حدیث غریب'' یہ غریب ہے یعنی اس سند کے لحاظ سے غریب ہے کبھی کبھار اس کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں حالانکہ وہی حدیث ان کے نزدیک دوسری سند سے صحیح اور معروف ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کسی اور سند سے مروی ہوتی ہے تو وہ اس اعتبار سے غریب ہوتی ہے اگرچہ متن صحیح اور معروف ہوتا ہے۔ اسی طرح امام ترمذی جب کہتے ہیں حسن غریب تو ان کی مراد بسا اوقات یہ ہے کہ اس سند کے اعتبار سے غریب ہے لیکن اس کے متن کے شواہد موجود ہیں جن کی بدولت یہ حسن کے زمرے میں آجاتا ہے۔

☆☆☆

ثقہ راوی کا اضافہ اور محفوظ و شاذ کی طرف خبر کی تقسیم

مفرداتِ باب

المقبرۃ: ....قَبَرَ بروزن نصر ہے فَعَلَۃٌ کے وزن پر اسم مشتق ہے بمعنی قبرستان اور مَفعَلَۃٌ کا وزن اس جگہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی چیز بکثرت واقع ہو۔ ویسے اسے باء کے کسرہ سے بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کی جمع مقابر ہے۔

الحمام: .... بمعنی غسل خانہ، اس کی جمع حَمَّامات آتی ہے۔

مسجد: .... یہ باب سجد بروزن نصر سے خلاف قیاس واحد مذکر اسم ظرف کا صیغہ ہے بمعنی ایسی جگہ جہاں سجدہ کیا جائے اس کی جمع مساجد آتی ہے۔
وُلوغ: .... باب وَلَغَ یَلِغُ بروزن ضرب سے اسم مصدر ہے بمعنی منہ ڈالنا، ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

فلیُرِقہ: .... واحد مذکر غائب فعل امر غائب معلوم باب اَرَاق بروزن افعال، بمعنی بہانا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

طُھور: ....اسم مصدر باب طَھُر بروزن نصر اور کرم بمعنی پاک ہونا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

سائر: ....واحد مذکر اسم فاعل باب سَارَ بروزن ضرب، بمعنی کسی چیز کا بقیہ۔ ہفت اقسام سے اجوف یائی ہے۔

التتریب: ....باب تفعیل سے مصدر ہے بمعنی خاک ڈالنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُعنی: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب اعْنٰی بروزن افعال بمعنی مراد لینا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

العنایۃ: ....مصدر باب عَنٰی یعنی بروزن ضرب بمعنی مشغول کرنا، فکر مند کرنا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

اِذًا: ....بمعنی تب، تب تو، ایسا ہے تو، یہ کلام سابق کا جواب اور جزاء ہوتا ہے اور اس کو ''اِذن'' کی طرح بھی لکھ لیتے ہیں۔ جب یہ فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اسے نصب دیتا ہے بشرطیکہ ابتدائے کلام میں ہو اور اس کے اور فعل کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔

☆☆....☆☆

علوم حدیث کی انواع میں سے جن پر توجہ واہتمام کرنا مستحسن ہے ایک، ثقہ راویوں کا دیگر رواۃ کے مقابلے میں اضافی بات بیان کرنا ہے۔ زیادتی جس طرح متن میں واقع ہوتی ہے اسی طرح سند میں بھی موقوف کو مرفوع اور منقطع کو متصل وغیرہ بیان کرنے میں ہوتی ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے زیادتی کی تین اقسام بنائی ہیں اور انہیں امام نووی وابن حجر رحمہما اللہ وغیرہ نے پسند فرمایا ہے۔ وہ اقسام حسب ذیل ہیں:

ا۔ وہ بات جسے ثقہ راوی اضافی طور پر بیان کرے درآں حالیکہ دیگر ثقات یا اس سے زیادہ ثقہ کی روایت کردہ بات کے منافی ہے۔ ایسے اضافہ کا حکم مردود ہوتا ہے۔ ثقات یا اوثق کی روایت کا نام محفوظ اور ثقہ کی روایت کا نام شاذ رکھا گیا ہے۔

خبر محفوظ:

اس وقت وہ ہے جسے ثقات یا اوثق بیان کرے درآں حالیکہ اس روایت کے منافی ہو جو ثقہ نے بیان کی۔

خبر شاذ:

وہ ہے جسے ثقہ راوی اس حال میں بیان کرے کہ ثقات یا اس سے زیادہ ثقہ نے جو روایت کی اس کے مخالف ہو۔ سند میں اس کی مثال ہے جسے امام ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوع ہونے کی حالت میں روایت کیا ہے: ''**اَلْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدٌ اِلاَّ الْمَقْبُرَۃَ وَالْحَمَّامُ**'' تمام کی تمام زمین سجدہ گاہ ہے ماسوائے قبرستان اور غسل خانہ کے۔

اسے حماد بن سلمہ نے عمرو بن یحییٰ سے متصل روایت کیا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابوسعید سے مرفوعاً بیان کرتا ہے۔ جبکہ سفیان ثوری نے اسے عمرو سے مرسل بیان کیا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے۔ امام ثوری جناب حماد سے زیادہ ثقہ ہے۔ اسی لیے امام دارقطنی نے "العلل" میں فرمایا! اس کا مرسل ہونا محفوظ ہے۔

۲۔ وہ اضافی بات جسے ثقہ اس طرح بیان کرے کہ ثقات یا اس کے اوثق کی روایت کے منافی نہ ہو ایسے اضافہ کا حکم قبول کرنا ہے۔ کیونکہ یہ مستقل (الگ) روایت کے حکم میں ہے جسے بیان کرنے میں ثقہ اپنے استاد سے منفرد ہے۔ متن میں اس کی مثال وہ ہے جسے امام مسلم اور نسائی نے علی بن مسہر کی سند سے وہ اعمش سے اور ابوصالح اور ابورزین سے وہ دونوں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "ولوغ الکلب" والی حدیث میں "فلیرقہ" (اسے انڈھیل دے) کا اضافہ بیان کرتے ہیں۔

ولوغ الکلب والی حدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِيْهِ الْكَلْبُ اَنْ يَّغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ))(مسلم، نسائی)

"جب کتا برتن میں منہ ڈال جائے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سات مرتبہ دھولے۔" جناب اعمش کے تمام حفاظ شاگرد (ماسوائے علی بن مسہر کے) اس اضافہ کو بیان نہیں کرتے لہٰذا یہ زیادتی (مستقل) خبر کی مانند ہوگی جسے روایت کرنے میں علی بن مسہر اکیلا رہ گیا، اور وہ ثقہ ہے۔

۳۔ ثقہ راوی ایسا اضافہ بیان کرے جو ایک قسم میں اس سے اولیٰ (بہتر) کی روایت کے منافی ہو البتہ یہ مخالفت مطلق کو مقید اور عام کو خاص کرنے میں منحصر ہے۔ راجح قول کے مطابق اس اضافے کا حکم قبول کرنا ہے۔ متن میں اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام مسلم وغیرہ نے محمد بن سیرین کے واسطے سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "ولوغ الکلب" والی حدیث میں "اولاہن بالتراب" (ان ساتوں میں سے پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھونا) کا اضافہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے والے بقیہ ثقہ راویوں کی روایت مٹی والی زیادتی سے خالی ہے۔ لہٰذا یہ اضافہ دیگر ثقات کی مطلق روایت کو مقید کرنے والا ہے۔

☆☆☆

خبر معروف و منکر

مفرداتِ باب

الصلوات: .... یہ الصلوٰۃ کی جمع ہے جو کہ صَلَّی بروزن تفعیل سے اسم مصدر ہے، ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

الزکوات: .... یہ الزکوۃ کی جمع ہے جو کہ تَزَکّٰی بروزن تفعیل سے اسم مصدر ہے یا زَکَایَزْکُوْ سے اسم مصدر ہے بروزن نصر، ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

☆☆....☆☆

خبر معروف کے مد مقابل خبر منکر ہے۔ خبر معروف وہ ہے کہ جسے ثقہ راوی بیان کرے، درآں حالیکہ ضعیف راوی کی بیان کردہ خبر کے مخالف ہو۔
خبر منکر:

خبر منکر وہ ہے جسے ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کی حالت میں بیان کرے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ابن ابی حاتم نے حُبَیب (مصغر پڑھیں گے) بن حبیب الزیات کی سند سے بیان کیا اور وہ ضعیف راوی ہے، یہ ابو اسحاق سے وہ عیزار بن حریث سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کرتا ہے، فرمایا:

((مَنْ اَقَامَ الصَّلَوَاتِ وَاٰتَی الزَّكَوَاتِ وَحَجَّ الْبَيْتَ وَصَامَ رَمْضَانَ وَقَرَى الضَّيْفَ دَخَلَ الْجَنَّةَ))

"جس آدمی نے نمازیں قائم کیں، زکوۃ ادا کی بیت اللہ کا حج کیا رمضان کے روزے رکھے اور مہمان کی مہمان نوازی کی تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔" امام ابو حاتم نے فرمایا: یہ روایت منکر ہے کیونکہ دیگر ثقہ رواۃ اسے ابو اسحاق سے وہ عیزار سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا موقوف ہونا معروف ہے۔

متابعت اور اس کی اقسام

مفرداتِ باب

الموافقۃ: .... مصدر باب وافق بروزن مفاعلہ، بمعنی موافقت کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

المشارکۃ: .... مصدر باب شارک بروزن مفاعلہ، بمعنی شراکت کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

التامۃ: .... واحد مؤنث اسم فاعل باب تَمَّ یَتِمُّ بروزن ضرب، بمعنی پورا ہونا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

لغوی لحاظ سے متابعت کا معنی موافقت کرنا ہے اور اصطلاحی اعتبار سے یہ ہے کہ راوی کے لیے روایت میں شراکت حاصل ہو جائے۔ اس کی دو قسمیں ہیں

: ا۔ متابعت تامہ:

متابعت تامہ یہ ہے کہ بذاتِ خود راوی کے لیے مشارکت حاصل ہو۔

۲۔ متابعت قاصرہ:

یہ ہے کہ راوی کے استاد یا اس سے اوپر والے کسی راوی کے لیے شرکت حاصل ہو۔

☆☆☆

متابع، شاہد اور اعتبار

مفرداتِ باب

سواء: .... باب تفعیل سویٰ سے اسم مشتق ہے بمعنی برابر، اس کی جمع أسواءٔ استعمال ہوتی ہے۔

تتبع: .... مصدر باب تَتَّبع بروزن تفعل، بمعنی تلاش و جستجو کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

فلا تصوموا: .... جمع مذکر حاضر معروف باب صام بروزن نصر، ہفت اقسام سے اجوف واوی۔

فلا تفطروا: .... جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معروف باب افطر بروزن افعال، ہفت سے صحیح۔

حتی تروا: .... جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف باب رائ یَرٰی رویۃ بروزن منع بمعنی بصارت یا بصیرت سے دیکھنا، ہفت اقسام سے مہموز العین اور ناقص یائی۔

فاکملوا: .... جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معلوم باب اکمل بروزن افعال، بمعنی مکمل کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

متابع:

متابع کو باء موحدہ کے کسرہ کے ساتھ (پڑھنا ہے) اور اس کا نام تابع بھی رکھا گیا ہے وہ خبر ہے جو لفظاً و معناً یا صرف معناً کسی متفرد راوی کی روایت میں صحابی ایک ہونے کی صورت میں مشارکت کر رہی ہو۔

الشاہد:

وہ خبر ہے جو لفظاً و معناً یا صرف معناً کسی متفرد راوی کی روایت میں صحابی مختلف ہونے کی صورت میں مشارکت کر رہی ہو۔ بعض محدثین نے متابع کو اس روایت کے ساتھ خاص کیا ہے جو لفظاً (مشارکت) حاصل ہو. برابر ہے کہ صحابی متحد ہو یا مختلف۔ جبکہ شاہد کو اس کے ساتھ خاص کیا ہے جو اسی طور پر معناً حاصل ہو۔ کبھی کبھار متابع اور شاہد میں سے ہر ایک دوسرے پر بولا جاتا ہے۔

الاعتبار:

غریب حدیث کی سندوں کو تلاش کرنا تاکہ معلوم ہو سکے آیا اس کے لیے متابع اور شاہد ہیں یا نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی مثال میں وہ روایت بیان کی ہے جسے امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ))

''مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے چنانچہ روزہ نہ رکھنا یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور نہ ہی افطار کرنا حتیٰ کہ چاند دیکھ لو اگر تم پر چاند چھپا دیا جائے (بادل کی وجہ سے) تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔''

بعض محدثین نے خیال کیا کہ ''تیس دن کی گنتی پوری کرو'' والے الفاظ میں امام شافعی متفرد ہیں کیونکہ ان کے علاوہ امام مالک کے دیگر شاگرد ''فَاقْدِرُوْا لَہٗ'' (اس کے لیے اندازہ لگاؤ) کے الفاظ سے اس حدیث کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن امام شافعی کے لیے متابعت تامہ و قاصرہ دونوں ہی پائی جاتی ہیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسلمہ سے یہی لفظ نقل کرتے ہیں اور امام مالک سے اسی (امام شافعی کی) سند کے ساتھ انتہاء درجہ کی صحت میں یہ متابعت تامہ ہے۔ امام ابن خزیمہ نے اپنی تصنیف ''الصحیح'' میں عاصم بن محمد بن زید کی سند سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمر سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی: ''فَكَمِّلُوْا ثَلَاثِيْنَ'' تو تیس کی گنتی پوری کرو، یہ متابعت قاصرہ ہے۔ اسی روایت کو امام مسلم نے بھی عبیداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر کی سند سے لفظوں کے ساتھ بیان کیا ہے: ''فَاقْدِرُوْا ثَلَاثِيْنَ'' تیس دنوں کا اندازہ لگاؤ، نسائی میں اس کا شاہد محمد بن حنین عن عبداللہ بن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے ابن دینار عن ابن عمر کی حدیث کی مثل ہے۔

المحکم و مختلف الحدیث

خبر محکم وہ مقبول حدیث ہے جو اپنی ہم مثل وہم پلہ روایت کے معارضہ (مخالفت) سے محفوظ ہو۔ اس پر لازمی عمل کرنا اس کا حکم ہے۔ اکثر احادیث اسی قسم کی ہیں۔

☆☆☆

مختلف الحدیث

مفرداتِ باب

مختلف: ....واحد مذکر اسم مفعول باب اختلف بروزن افتعال بمعنی اختلاف کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المعارض: ....واحد مذکر اسم مفعول باب عارض بروزن مفاعلہ مقابلہ کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

التوفیق: .... مصدر باب وَفَّق بروزن تفعیل بمعنی تطبیق دینا، موافق کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

تکلف: .... باب تفعل سے مصدر ہے بمعنی تکلف کرنا، دشوار کام برداشت کرنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تعسف: .... باب تفعل سے مصدر بمعنی بے راہ روی کرنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

فِرَّ: ....واحد مذکر حاضر امر حاضر معروف باب فَرَّ بروزن ضرب، بمعنی بھاگنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

مختلف الحدیث:

وہ مقبول حدیث جو اپنی ہم مثل وہم پلہ کے معارض ہو اور ان کے مابین تطبیق ممکن ہو۔ اس قسم میں کتابیں لکھنے والے علماء میں سے امام شافعی، طحاوی اور ابن قتیبہ ہیں۔

دو مقبول احادیث کے مابین تعارض کے وقت کس کی طرف رجوع کیا جائے؟

جب دو مقبول روایات آپس میں ٹکرا جائیں اور بغیر تکلف اور مشقت کے ان کے درمیان تطبیق ممکن ہو تو کسی اور طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے بخاری و مسلم نے نقل فرمایا: ''فِرَّ مِنَ المَجْزُوْمِ فِرَارَکَ مِنَ الاَسَدِ'' کوڑھی سے ایسے بھاگو جیسے شیر کو دیکھ

کر تیرا بھاگنا ہے۔ اور وہ حدیث جسے امام مالک نے روایت کیا، فرمایا: "لَایُوْرَدُ مُمْرِضٌ عَلٰی مُصِحٍّ" بیمار آدمی کو صحت مند پر پیش نہ کیا جائے۔ ان کا مقابلہ اس حدیث کے ساتھ ہے، فرمایا: "لَاعَدْوٰی وَلَاطِیَرَۃَ" (مسلم) نہ کوئی بیماری متعدی ہے (ایک سے دوسرے کو لگنا) اور نہ ہی بدشگونی ہے۔ ان روایات کاظاہر متعارض ہے کیونکہ پہلی میں (بیمار) سے بھاگنے کا حکم دیا ہے جبکہ آخری میں بیماری متعدی ہونے کی نفی فرمائی۔

تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ بیماریاں طبعاً متعدی نہیں ہوتیں جیسا کہ اہل جاہلیت اور بعض طبیبوں کا نظریہ ہے (طبعاً بیماری متعدی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بیماری کا یہ مزاج نہیں کہ وہ ایک سے دوسرے کو اور پھر آگے لگتی جائے) لیکن اللہ تعالیٰ اسے لگنے کا سبب بنادیتا ہے اور بسا اوقات دوسرے اسباب کی طرح بیماری لگنے والے اسباب کے پائے جانے کے باوجود مسبّب (بیماری لگنا) پیچھے رہ جاتا ہے۔ یعنی بیماری نہیں لگتی۔ اگر دونوں متعارض احادیث میں تطبیق ممکن نہ ہو تو تاریخ کی طرف رجوع کیا جائے گا چنانچہ اگر علم ہو جائے تو بعد والی پہلی کے لیے ناسخ ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر تاریخ مجہول ہے لیکن سند یا متن کے ساتھ تعلق رکھنے والی ترجیح کی وجوہات میں سے کسی وجہ کے ذریعے دونوں میں ایک خبر کو راجح قرار دینا ممکن ہے تو ترجیح کی طرف رجوع ہوگا۔ اور اگر ترجیح قائم کرنا بھی ناممکن ہے تو ان دونوں پر عمل کرنے سے توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ غور و فکر کرنے والے کے لیے ترجیح کی وجہ واضح ہو جائے۔

☆☆☆

نسخ اور جس کے ذریعے اس کی پہچان ہوتی ہے

مفرداتِ باب

المتأخر: .... واحد مذکر اسم فاعل باب تأخر بروزن تفعل، بمعنی بعد میں آنا۔ ہفت اقسام سے مہموز الفاء ہے۔

اقدم: .... واحد مذکر اسم تفضیل باب قدم بروزن نصر، بمعنی قوم سے سابق ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

اخر: .... یہ باب تأخر یتاخر سے اسم تفضیل واحد مذکر ہے۔ چونکہ یہ باب ثلاثی مزید فیہ ہے اس سے اسم تفضیل نہیں آتا اور اگر اسم تفضیل کے معانی مراد لینے ہوں تو مصدر کے شروع میں اشد لگادیتے ہیں، یہ اصل میں اشد تاخراً تھا تخفیف کے طور پر اس کو آخر بنادیا ہے۔

الازالۃ: .... مصدر باب اَزَالَ بروزن افعال، بمعنی زائل کرنا۔ ہفت اقسام سے اجوف یائی ہے۔

شیئًا: .... مصدر باب شَاءَ یَشَاءُ بروزن خَافَ (علم) ہفت اقسام سے اجوف یائی اور مہموز اللام۔

یُشبہ: .... واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب اَشْبَہَ بروزن افعال بمعنی مانند ہونا اور مشابہ ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

نھیتکم: .... واحد متکلم فعل ماضی معروف باب نَہٰی یَنْہٰی بروزن منع، بمعنی منع کرنا اور روکنا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

فزروروھا: .... جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب زَارَ یَزُورُ بروزن نصر، بمعنی زیارت کرنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔ مَسَّت: .... واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب مَسَّ یَمَسُّ بروزن علم بمعنی چھونا، پہنچنا، ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

النسخ:

لغوی لحاظ اسے اس کا معنی زائل کرنا اور نقل کرنا ہے۔ جب سورج سائے کو ختم کر دے تو ہم کہتے ہیں: "نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِلَّ" کہ سورج نے سائے کو زائل کر دیا۔ اور اسی طرح "نَسَخْتُ الْكِتَابَ" اس وقت کہو گے جب تم ایسی چیز نقل کرو جو کتاب کے الفاظ کے مشابہ ہو یعنی کتاب کی عبارت نقل کرنا۔

شریعت کے اعتبار سے نسخ کا مطلب ہوتا ہے کسی شرعی حکم کو اس سے بعد والی شرعی دلیل کے ذریعے ختم کرنا۔ نسخ کی پہچان قرائن یا چند امور سے ہوتی ہے ان میں سے ایک نص ہے واضح دلیل اور یہ سب سے زیادہ صریح بات ہے (جس سے نسخ کی معرفت ہوتی ہے) جیسا کہ حدیث ہے: "كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا" میں تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا کرتا تھا لہٰذا اب تم زیارت کرلیا کرو۔ (مسلم)

ان میں دوسرا وہ ہے کہ اس کے متاخر ہونے کی خبر صحابی دے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "كَانَ آخِرَ الْاَمْرَيْنِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" دو معاملوں میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل آگ پر پکی چیز (کھا کر) وضو نہ کرنا تھا۔ (ترمذی) شروع اسلام میں آگ پر پکی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا جبکہ بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا البتہ اونٹ کا گوشت اب بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ ان میں سے تیسرا وہ ہے جو تاریخ سے پہچانا جائے۔ البتہ وہ معاملہ جسے بعد میں اسلام والا صحابی اپنے سے پہلے اسلام لانے والے صحابی کے مخالف بیان کرے تو وہ نسخ پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ احتمال ہے کہ بعد والے صحابی نے اس حدیث کو اس صحابی سے سنا ہو جو اس مقدم سے بھی پہلے اسلام لانے والا ہے یا اسی جیسے دوسرے صحابی سے سنا ہو لہٰذا اس (بعد والے) نے واسطہ گرا کر بیان کر دیا۔ اجماع ناسخ نہیں ہوتا بلکہ نسخ پر دلالت کرتا ہے (یعنی اجماع سے یہ تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ فلاں دلیل فلاں مسئلہ کی ناسخ ہے لیکن بذاتِ خود کسی شرعی مسئلہ کو منسوخ نہیں کر سکتا)۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور صحیح کی توضیح کیجیے:

ا۔ ثقہ کے اضافے کو شاذ کا نام دیا جاتا ہے۔

۲۔ شاذ کا تعلق سند اور متن دونوں سے ہوتا ہے۔

۳۔ منکر روایت کا تعلق صرف متن سے ہوتا ہے۔

۴۔ منکر اور شاذ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۵۔ امام شافعی امام مالک رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں۔

مندرجہ سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ روایت میں ثقہ کے اضافے کی کوئی مثال تحریر کیجیے۔

۲۔ شاذ کی اقسام کی وضاحت کیجیے اور یہ بتلایے کہ ان میں سے مردود کون سی ہے؟

۳۔ خبر منکر کی مثال سے وضاحت کیجیے۔

۴۔ متابعت کا مفہوم اپنے الفاظ میں واضح کیجیے۔ نیز بتایے کہ اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ کیا متابعت میں صحابی کا ایک ہونا شرط ہے؟

۶۔ متابع اور شاہد کی تعریف میں اختلاف کی وضاحت کیجیے۔

۷۔ جب حدیث میں بظاہر تعارض ہو تو کیا کیا جائے گا؟

۸۔ کیا توقف کا مرحلہ متعارض روایت کو ترجیح دینے سے پہلے کا ہے؟

۹۔ نسخ کی تعریف کیجیے نیز واضح کیجیے کہ نسخ کو پہچاننے کی کیا طریقے ہیں؟

۱۰۔ کیا اجماع کسی حدیث کو منسوخ کر سکتا ہے؟

☆☆☆

خبر مردود اور اسے ردّ کرنے کے اسباب

مفرداتِ باب

المخبر: .... واحد مذکر اسم فاعل، باب اَخْبَرَ بروزن افعال، بمعنی خبر دینا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

سقوط: .... اسم مصدر باب سقط بروزن نصر بمعنی گرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الجہابذۃ: .... یہ الجِہْبِذ کی جمع ہے بمعنی پرکھنے والا، دانا۔

المطلعون: .... جمع مذکر اسم فاعل باب اِطَّلَع بروزن افتعال بمعنی جاننا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

ملاقات: .... مصدر باب لاقی یلاقی بروزن مفاعلہ، بمعنی ملنا اور ملاقات کرنا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

تحدید: .... مصدر باب حَدَّد بروزن تفعیل، بمعنی حد مقرر کرنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

موالید: .... یہ مَولِدٌ کی جمع ہے بمعنی جننے کا وقت جو کہ وَلَدَ یَلِدُ سے ظرف زمان کا صیغہ ہے بروزن ضرب، ہفت اقسام سے مثال واوی۔

وفیاتہم: .... یہ وفات کی جمع ہے بمعنی موت۔ ازمان: .... یہ زَمَن کی جمع ہے بمعنی زمانہ، وقت۔

☆☆....☆☆

خبر مردود:

وہ ہے کہ اس کے متعلق خبر دینے والے کی سچائی راجح نہ ہو۔ کثیر انواع کی طرف یہ منقسم ہوتی ہے (حتی کہ) بعض محدثین نے انہیں چالیس سے زیادہ اقسام تک پہنچایا ہے۔ مجموعی لحاظ میں یہ دو اسباب کی طرف لوٹتی ہے:

۱۔ سند سے پہلے ایک یا زیادہ رواۃ کا گرنا۔

۲۔ سند کے بعض رواۃ میں طعن۔

راوی کے گرنے کی انواع:

سند سے راوی کے گرنے کی دو اقسام ہیں:

ا۔ ایک بالکل واضح اور نمایاں جس کی معرفت میں اشتراک حاصل ہو (یعنی ہر ایک کو سمجھ آجائے کہ یہاں راوی گرا ہے)۔

۲۔ دوسرا مخفی جسے صرف سمجھ دار اور حدیث کے طرق واسناد کی علتوں پر اطلاع پانے والے (یعنی ماہرین) ہی حاصل کر سکیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی ادراک نہ کر سکے۔

پہلی قسم کی معرفت راوی جس سے روایت لے رہا ہے اس کی عدم ملاقات سے ہوتی ہے یا تو اس لیے کہ راوی نے اس کا زمانہ نہیں پایا ہوتا یا زمانہ تو پالیا لیکن دونوں اس مروی حدیث کے لیے جمع نہ ہوئے ہوں اور نہ ہی اس راوی کو اس کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہی وجادت ہے۔ (نوٹ: اجازت اور وجادت کی بحث آگے آئے گی، ان شاء اللہ) اسی لیے علم تاریخ کی طرف محتاج ہوا گیا ہے کیونکہ یہ علم رواۃ کی تاریخ پیدائش و وفات کی حد بندی ان کے طلب علم اور اسفار کے زمانوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔

☆☆☆

راوی کے گرنے کے اعتبار سے خبر مردود کی اقسام

اس کی چھ اقسام ہیں:

(ا) المعلق:

وہ خبر ہے جس کی سند کے ابتدا سے ایک یا زیادہ راوی حذف کیے گئے ہوں۔ معلق اور اس طرح کی دیگر روایات کو میں محذوف راوی کی حالت سے عدم واقفیت کی وجہ سے مردود کی اقسام شمار کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں معلق روایات بکثرت ہیں چنانچہ امام نووی نے فرمایا: ان میں سے جو صیغہ جزم (یعنی معلوم صیغے) کے ساتھ ہو مثلاً قَالَ (اس نے کہا) ذَکَرَ (اس نے ذکر کیا) رَوَیٰ (اس نے روایت کیا) درآں حالیکہ معروف صیغہ پر بنیاد رکھی گئی ہو تو منسوب الیہ تک اس کی صحت کا حکم ہے۔ اور جس میں صیغہ جزم نہیں مثلاً قِیلَ (کہا گیا) ذُکِرَ (تذکرہ کیا گیا) رُوِیَ (روایت بیان کی گئی) درآں حالیکہ مجہول صیغہ پر بنیاد رکھی گئی ہو تو منسوب الیہ تک اس کے صحیح ہونے کا حکم نہیں۔ محقق جب اس سے استدلال کا ارادہ رکھے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کی سند کے رواۃ کے حالات کی جانچ پرکھ کرلے۔ (نوٹ: یاد رہے صحیح بخاری کی جن روایات کے صحیح ہونے پر امت کا اتفاق ہے ان میں معلق روایات شامل نہیں)۔

(۲) المرسل:

وہ خبر ہے جسے تابعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع بیان کردے / منسوب کردے۔ گویا کہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا اس طرح کیا وغیرہ۔ یہ لفظ مرسل عربیوں کے اس قول سے ماخوذ ہے "نَاقَةٌ رَسَلٌ" یعنی تیز اونٹنی۔ گویا کہ ارسال کرنے والے نے حدیث کی طرف جلد بازی کی اور اس کی سند کا کچھ حصہ حذف کر دیا۔ مرسل کو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے محذوف راوی کی حالت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے

مردود کی اقسام میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ محذوف راوی صحابی ہو یا تابعی اور دوسری صورت پر یعنی تابعی ہونے کی شکل میں اس کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔

☆☆☆

مرسل کا حکم

مفرداتِ باب

سریعۃ: .... سَرُعَ یَسْرُعُ سے اسم فاعل سَرِیْعٌ کی مؤنث سَرِیْعَۃٌ جلدی جانے والی، اس کی جمع سِرَاعٌ استعمال ہوئی ہے۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

مبنیًّا: .... واحد مذکر اسم مفعول باب بنٰی بروزن ضرب، بمعنی بنایا گیا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

مستدلین: .... جمع مذکر اسم فاعل باب استدل بروزن استفعال، بمعنی دلیل پکڑنے والے، دلیل لینے والے۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔
أحالک: .... واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم باب أحالک بروزن افعال، بمعنی سپرد کر دیا، موڑ دیا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

مؤنۃ: .... یہ اسم مشتق ہے باب مَأن بروزن منع سے ہے اس کی جمع مُؤَن آتی ہے بمعنی بوجھ، مکلّف۔

انضم: .... واحد مذکر غائب، فعل ماضی معلوم باب انضم بروزن انفعال، بمعنی ملنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

جمہور محدثین اکثر فقہاء اور اصولی حضرات مرسل روایت کو مردود سمجھتے ہیں۔ یہ ان کا یہ استدلال اس بات سے ہے کہ مجھول جس کا نام لیا گیا ہو، کی روایت جب قبول نہیں تو ارسال کرنے والی کی بالاولی مردود ہے، کیونکہ مروی عنہ مجھول العین اور مجھول الحال ہونے کی صورت میں محذوف ہے۔ تینوں أئمہ ابو حنیفہ، مالک اور ایک روایت میں امام احمد سے بیان کیا گیا ہے کہ مرسل روایت علی الاطلاق مقبول ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ کسی راوی سے خاموشی اختیار کرنا اس کے عادل ہونے کی خبر ہے کیونکہ خاموش رہنے والا خود عادل ہے اور اسے علم بھی ہے کہ اس محذوف راوی کی روایت پر عام شرعی حکم مرتب ہوگا۔ (للذا ایسا عادل جسے حذف کرے گا وہ بھی ثقہ ہوگا)۔ بعض محدثین نے یہاں تک کہہ دیا کہ مرسل روایت متصل سے زیادہ قوی ہے کیونکہ متصل بیان کرنے والے نے آپ کو اس روایت کی سند، اس کے رواۃ کے حالات میں جانچ پڑتال کرنا اور ان کے متعلق تحقیق کرنے کے سپرد کر دیا ہے جبکہ جس نے اپنے علم، دین، امانت، امامت اور ثقاہت کے باوجود روایت کو مرسل کیا تو یقینا اس نے تیرے لیے اس روایت کی صحت کا قطعی فیصلہ دیا اور تجھے اس کے رواۃ کے حالات کی جانچ پڑتال کی مشقت سے بے نیاز کر دیا۔ بعض اہل علم جن میں امام شافعی شامل ہیں کبار تابعین جیسے کہ سعید بن مسیب وغیرہ کی مرسل روایت کو قبول کرنے کی طرف گئے ہیں

بشرطیکہ جب اس کے ساتھ اسے تقویت دینے والی چیز (قرینہ) مل جائے (یعنی) گویا کہ وہ دوسری سند سے متصل بیان کی گئی ہو یا قول صحابی کی موافقت میں ہو یا اکثر اہل علم نے اس روایت کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔

اس کو مضبوطی سے لینا کہ مرسل کے حکم میں جو اختلاف گزرا ہے یہ مراسیل الصحابہ کے علاوہ میں ہے۔ صحیح اور مشہور موقف جس کے متعلق جمہور اہل علم نے قطعی فیصلہ یہ دیا ہے کہ صحابی کی مرسل حجت ہے کیونکہ صحابہ کا غیر صحابہ سے روایت کرنا نادر ہے۔ اور جب یہ غیر صحابی سے روایت لیتے ہیں تو وضاحت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ جب (بغیر واسطے کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) مطلق بیان کریں تو ظاہر بات ہے کہ محذوف راوی صحابہ میں سے ہی ہوگا اور وہ تمام کے تمام عادل ہیں۔

☆☆☆

(۳) المعضل

وہ روایت ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ راوی لگاتار حذف کیے گئے ہوں۔ یہ نام "اَعْضَلَهٗ" سے ماخوذ ہے بمعنی اسے تھکا دیا، (گویا راوی تھک گیا اور واسطے ترک کر دیے)۔

☆☆☆

(۴) المنقطع

مفرداتِ باب

بمقتضاہ: ....واحد مذکر اسم مفعول، باب اقتضیٰ بروزن افتعال، بمعنی تقاضا کرنا، آخر میں "ہ" ضمیر ہے۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

عدول: .... مصدر ہے باب عَدل بروزن ضرب سے یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المعضل: ....واحد مذکر اسم مفعول، باب اَعْضَلَ بروزن افعال، ہفت اقسام سے صحیح۔

التوالی: .... مصدر ہے باب تفاعل سے بمعنی پے در پے۔ اعیاہ: ....واحد مذکر غائب فعل ماضی معلوم، باب اعییٰ بروزن افعال، ہفت اقسام میں لفیف یائی۔

المنقطع: ....واحد مذکر اسم فاعل باب انقطع بروزن انفعال، بمعنی جدا ہونا، الگ ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المدلِّس: ....واحد مذکر اسم فاعل باب دَلَّس بروزن تفعیل، ہفت اقسام سے صحیح، مفتوح اللام کے وقت اسم مفعول ہوگا۔ ☆☆....☆☆

منقطع:

وہ ہے جس کی سند سے ایک یا زیادہ راوی حذف کیے گئے ہوں لیکن پے در پے نہ ہوں۔

(۵) المدلس (بفتح اللام):

لغوی لحاظ سے تدلیس عیب چھپانے کو کہتے ہیں یہ دلس سے ماخوذ ہے جس کا معنی اندھیرا ہے، گویا تدلیس کرنے والے نے سامع پر معاملہ اندھیرے میں رکھا، کیونکہ اس نے درست طریقے (بات) کو چھپا دیا۔

تدلیس کی دو اقسام ہیں:

(۱) تدلیس الاسناد:

راوی اپنے استاد کو گرا دے اور اپنے استاد کے شیخ سے روایت کرے یا دوسرے ہم عصر سے روایت لے جس سے ملاقات تو ہے (لیکن) سماع نہیں، نیز اس کی طرف سے اسے نہ تو اجازت ہے اور نہ ہی وجادت۔ روایت ایسے الفاظ سے کرے جو اتصال کا احتمال رکھتے ہیں، لفظ "عَنۡ، قَالَ" کی طرح۔ اس کی انواع میں سے بری ترین قسم تدلیس التسویۃ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دو ثقہ رواۃ جن کی آپس میں ملاقات ہے کے مابین ضعیف آدمی سے کوئی راوی روایت لے وہ (اس ضعیف) کو گرا دے اور اپنے ثقہ استاد کو دوسرے ثقہ راوی سے ملا کر روایت کرے۔

حافظ عراقی نے کہا ہے کہ جن راویوں کے متعلق یہ بات (تدلیس التسویۃ) معروف ہے ان میں سے بقیہ بن ولید اور ولید بن مسلم ہے جو آزادی کی نسبت سے قرشی ہے۔

(۲) تدلیس الشیوخ:

راوی اپنے استاد کا تذکرہ اس چیز کے ساتھ کرے جو لوگوں کے ہاں مشہور نہیں اس کا تعلق نام سے ہو یا کنیت سے یا لقب سے یا کوئی اور چیز (یعنی اپنے استاد کا غیر معروف نام، کنیت، لقب یا کوئی اور صفت کے ساتھ تذکرہ کرے تاکہ سننے والا دھوکہ کھا جائے)۔ جو راوی غیر ثقہ رواۃ سے تدلیس کرنے میں معروف ہو اس کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ سماع کی صراحت کر دے۔

☆☆☆

(۶) المرسل الخفی

راوی اپنے ہم عصر سے روایت لے اور اس راوی اور مروی عنہ کے مابین ملاقات معروف نہیں اور نہ ہی اس کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہی وجادت۔ روایت ایسے الفاظ سے کرے جو اتصال کا وہم ڈالتے ہیں۔ مثلاً عَنۡ اور قَالَ۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام ابن ماجہ نے عمر بن

عبدالعزیز عن عقبۃ بن عامر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے روایت کیا کہ فرمایا: ”رَحِمَ اللّٰہُ حَارِسَ الْحَرَسِ“ اللہ تعالیٰ محافظ دستے کا پہرہ دینے والے پر رحم کرے۔ حافظ مزی تحفۃ الاشراف میں کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کی حضرت عقبہ سے ملاقات نہیں۔

تدلیس اور مرسل خفی کو کن ذرائع سے پہچانا جاتا ہے؟

تدلیس اور ارسال خفی چند باتوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ تدلیس یا ارسال کرنے والا بذاتِ خود اس کی خبر دے۔ ان میں سے دوسری یہ ہے کہ راوی کا مروی عنہ سے مطلقاً عدم سماع معروف ہو یا اس فن کے ائمہ میں سے کسی ماہر امام کی وضاحت سے پتہ چلے کہ اس مخصوص حدیث میں عدم سماع ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ رُوِیَ صیغہ جزم ہے۔

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح میں چونکہ سبھی روایات معلق ہیں اس لیے ان کی تحقیق کی جائے گی۔

۳۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرسل روایات قابل قبول نہیں ہیں۔

۴۔ تدلیس التسویہ تدلیس کی بری ترین قسم ہے۔

۵۔ عمر بن عبدالعزیز کی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ خبر مردود کے اسباب کون سے ہیں؟

۲۔ علم اسماء الرجال کیوں وجود میں آیا؟

۳۔ راوی کے گرنے کے لحاظ سے خبر کی کتنی اقسام ہیں؟

۴۔ مرسل روایت کو رد کرنے کی کیا وجہ ہے؟

۵۔ مرسل روایت کو قبول کرنے والے محدثین کی دلیل ذکر کیجیے۔

٦۔ مرسل روایت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا کیا نقطہ نظر ہے؟

۷۔ تدلیس کی وجہ تسمیہ بیان کیجیے۔

۸۔ تدلیس اسناد اور تدلیس تسویہ میں کیا فرق ہے؟

۹۔ اپنے استاد کو غیر معروف نام سے ذکر کرنے کو کیا کہا جاتا ہے؟

۱۰۔ مرسل خفی اور تدلیس اسناد میں کیا فرق ہے؟

☆☆☆

راوی میں طعن کے اسباب

مفرداتِ باب

تَرْجِعُ: ....واحد مؤنث غائب مضارع معروف باب رجع بروزن ضرب، بمعنی لوٹنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تعود: ....واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب عَادَ بروزن نصر، بمعنی لوٹنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

الیک ترتیبھا: ....اِلَیکَ یہ ضمیر مجرور بحرف جر ہے اور ترتیب مصدر ہے، باب رتب بروزن صَرَّف سے بمعنی ترتیب لگانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

راوی پر طعن کے اسباب:

راوی میں جرح کے دس اسباب ہیں ان میں سے پانچ عدالت راوی کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں: الکذب (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا) التہمۃ بالکذب (عام لوگوں سے جھوٹ بولنا) الفسق (فسق) البدعۃ (بدعت) الجہالۃ (جہالت)۔

جبکہ بقیہ پانچ راوی کے ضبط کی طرف راجع ہیں اور وہ یہ ہیں: فحش الغلط (فاش غلطیاں کرنا) کثرۃ الغفلۃ (غفلت کی کثرت) الوہم (وہم کرنا) مخالفۃ الثقات (ثقہ راویوں کی مخالفت کرنا) سوء الحفظ (برا حافظہ یعنی حافظہ کی شدید کمزوری) رد میں شدت تاثیر کے لحاظ سے ان کی ترتیب لازم پکڑ۔

پہلا سبب:

راوی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے کی روایت کو موضوع (من گھڑت) کہتے ہیں۔

خبر موضوع اور اس کو روایت کرنے کا حکم

مفرداتِ باب

الاخْتِلَاق: .... مصدر باب اختلق بروزن افتعال، بمعنی جھوٹ گھڑنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

عِوَارِہا: ....اسم مصدر باب عَوِر بروزن علم، بمعنی عیب دار ہونا، کانا ہونا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

☆☆....☆☆

لغوی لحاظ سے وضع کا معنی جھوٹ گھڑنا اور افتراء کرنا ہے۔ چنانچہ خبر موضوع سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگائی گئی اور گھڑی گئی روایت ہے۔ موضوع روایات کو علی الاطلاق بیان کرنا حرام ہے البتہ اگر اس کے جھوٹا ہونے اور معیوب ہونے کی وضاحت ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ اسے روایت کرنے کی حرمت اس قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے:

((مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيْثًا يَرَى اَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَذَّابِيْنَ))

"جو میری طرف سے حدیث بیان کرے جسے وہ جھوٹا خیال کرتا ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے۔" (مسلم)

☆☆☆

احادیث گھڑنے کے اسباب

مفرداتِ باب

قَصَدَ: ....مصدر باب قصد بروزن ضرب بمعنی توجہ کرنا، ہفت اقسام سے صحیح۔

التَّقَرُّب: ....مصدر باب تفعل، بمعنی قربت ڈھونڈنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُرَغِّبُ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب رَغَّبَ بروزن تفعیل، بمعنی راغب کرنا، یہ باب افعال سے بھی بن سکتا ہے۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُرْہِبُہُمْ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب اَرْھَبَ بروزن افعال، بمعنی ڈرانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المَنْسُوْبِیْنَ: ....جمع مذکر اسم مفعول باب نسب بروزن نصر اور ضرب دونوں سے آسکتا ہے، بمعنی نسبت کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الوَضَّاعِیْنَ: ....یہ وَضَّاعٌ کی جمع ہے جو کہ باب وضع بروزن منع سے مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بات کرنا، ہفت اقسام سے مثال واوی۔

نَکْبَۃ: ....باب نَکَبَ بروزن نصر سے اسم مرۃ ہے اس کی جمع نَکَبات آتی ہے بمعنی مصیبت، ہفت اقسام سے صحیح۔

یَثِقُوْنَ: ....جمع مذکر غائب فعل مضارع معروف باب وَثَقَ یَثِقُ بروزن ضرب، بمعنی اعتماد کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

حِسبَۃ: ....اسم مصدر باب حَسَبَ بروزن نصر، بمعنی ثواب وجزاء، شمار کرنا، یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المُلَقَّبُ: ....واحد مذکر اسم مفعول باب لَقَّبَ بروزن تفعیل، بمعنی لقب دینا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

احادیث گھڑنے کے اسباب:

روایات گھڑنے اور جھوٹ بولنے کے اسباب بکثرت ہیں، ان میں چند حسب ذیل ہیں:

(ا) اللہ کا قرب حاصل کرنا:

ایسی روایات گھڑ کر اللہ کا قرب حاصل کرنا مقصود ہو جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف راغب کریں اور اس کی نافرمانی سے لوگوں کو ڈرائیں جیسا کہ زہد و اصلاح کی طرف منسوب ہونے والے بعض لوگوں نے کیا (انہیں صوفی منش کہا جاتا ہے)۔ احادیث گھڑنے والوں میں سے یہ

حضرات برے ترین اور مصیبت وآزمائش کے لحاظ سے زیادہ شدید ہیں۔ کیونکہ لوگ ان پر ان کے اصلاح کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ایک تو اعتماد کرتے ہیں۔

☆☆☆

(۲) حکام لوگوں کا قرب حاصل کرنا

مفرداتِ باب

التَّزَلُّفُ: .... مصدر باب تَزَلَّف بروزن تفعل، بمعنی آگے ہونا، قریب ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

اھواء ہم: .... یہ الھوَی کی جمع ہے جو کہ باب ہَوِیَ بروزن علم سے اسم مشتق ہے بمعنی خواہش نفس اور آخر میں "ہم" ضمیر ہے۔

☆☆....☆☆

حکام کی خواہشات کے موافق روایات گھڑ کر ان کا تقرب حاصل کرنا جیسا کہ غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی کا امیر المومنین المہدی العباسی کے ساتھ واقعہ ہے۔ یہ کبوتر کو پسند کرتے اور کھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ غیاث ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے کبوتر تھا۔ چنانچہ اس نے کہا مجھے فلاں نے فلاں سے حدیث سنائی، اپنی پوری سند بیان کر دی اور کہا بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا سَبَقَ اِلَّافِی نَصْلٍ اَوْخُفٍّ اَوْحافرٍاَوْ جَنَاحٍ" نہیں ہے مقابلہ مگر نیزہ بازی یا اونٹ دوڑ یا گھڑ دوڑ یا پرندوں میں۔

اس نے حدیث میں "اَوْجَنَاحٍ" (پرندوں میں) کا اضافہ کر دیا لہٰذا خلیفہ مہدی کو علم ہوگیا کہ اس (غیاث) نے اس کی (خلیفہ کی) وجہ سے جھوٹ گھڑا ہے تو اس نے کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا۔

☆☆☆

(۳) اہل اسلام پر دین کو بگاڑنا

مفرداتِ باب

لَا سَبَقَ: ....اسم مشتق ہے باب سَبَقَ بروزن ضرب، اس کی جمع اسباق آتی ہے بمعنی بازی، دوڑ کا میدان۔

الزَّنَادِقَة: ....اس کی واحد زندیق ہے جو کہ تزندق بروزن تدحرج (تفعلل) سے صفت کا صیغہ ہے، بمعنی بے دین ہونا، باطنی کافر ہونا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

خدیعۃ: ....اس کی جمع خدائع ہے بمعنی فریب، دھوکا، مکر وحیلہ۔

☆☆....☆☆

جیسا کہ ان زندیق (بے دین) حضرات نے کیا جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ (یعنی) بیان بن سمعان کی طرح کے لوگ جس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی الوہیت کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ اسے خالد بن عبداللہ القسری نے قتل کر کے جلا دیا تھا۔

(۴) کمائی کا ذریعہ:

روایات وضع کر کے روزی روٹی کمانا جیسا کہ قصہ گو حضرات کا وطیرہ ہے (جیسے کہ ابو سعید مدائنی نے کیا)۔

(۵) اپنی رائے کو تقویت دینا:

یعنی اپنے خود ساختہ مسلک کو بچانے کے لیے روایات گھڑ لینا (جیسا کہ شیعہ نے کیا)۔

(٦) شہرت کے حصول کے لیے نادر روایات پیش کرنا (جیسا کہ ابن ابو دحیہ اور حماد نصیبی نے کیا)۔

وضع کو پہچاننے کے ذرائع

مفرداتِ باب

التکسب: .... باب تفعل سے مصدر ہے بمعنی کمائی کرنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

والارتزاق: .... باب افتعال سے مصدر بمعنی روزی مانگنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الاغراب: .... باب افعال سے مصدر بمعنی عجیب چیز لانا، نوادرات بیان کرنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الانتصار: .... باب افتعال سے مصدر بمعنی مدد کرنے میں غالب ہونا، ہفت اقسام سے صحیح۔

الاشتہار: .... باب افتعال سے مصدر بمعنی مشہور ہونا ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تأویل: .... مصدر باب اَوّل بروزن تفعیل، بمعنی تاویل کرنا، تغیر کرنا۔ ہفت اقسام سے مہموز الفاء اور اجوف واوی ہے۔

طافت: ....واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب طاف یطوف بروزن نصر، بمعنی گھومنا اور چکر کاٹنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

☆☆....☆☆

وضع کو پہچاننے کے ذرائع:

چند چیزوں سے وضع کی پہچان ہوتی ہے ان میں ایک روایات گھڑنے والے کا بذاتِ خود اس کا اعتراف کرنا جیسا کہ نوح بن ابی مریم نے اعتراف کیا جو ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح میسرہ بن عبد ربہ الفارسی نے اعتراف کیا کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث گھڑی ہیں۔ ان میں دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ روایت جس کے مخالف ہو اور تاویل کو بھی قبول نہ کر سکے جیسا کہ حدیث ہے: ''بلاشبہ حضرت نوح کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی۔''

اس روایت کو حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کیا ہے اور یہ (عبدالرحمٰن) ضعیف ہے۔

دوسرا سبب (التہمۃ بالکذب):

اس کی دو صورتیں ہیں: راوی لوگوں کے ساتھ اپنی گفتگو میں جھوٹ بولنے کے ساتھ معروف ہو یا اپنی روایت بیان کرنے میں منفرد ہو جو دین کے عام معروف قواعد کے مخالف ہے۔ المتہم بالکذب کی روایت کو متروک کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی مثالوں میں صدقۃ دقیقی عن فرقد عن سمرہ عن ابی بکر کی روایات ہیں نیز عمرو بن شمر عن جابر الجعفی عن الحارث عن علی بن ابی طالب کی روایات بھی ہیں۔

☆☆☆

تیسرا، چوتھا اور پانچواں سبب

مفرداتِ باب

القواعد: ....یہ القاعدۃ کی جمع ہے بمعنی بنیاد۔

المعلومۃ: ....واحد مؤنث اسم مفعول باب علم، بمعنی جاننا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُسَمّٰی: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب سَمّٰی یُسَمّی بروزن تفعیل، بمعنی نام رکھنا۔ ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

☆☆....☆☆

فحش غلط الراوی، کثرت غفلت و فسق:

راوی کا سنگین غلطیاں کرنا، اس کا بکثرت غفلت کا شکار ہونا اور ایسا فسق (گناہ کرنا) جو کہ کفر کی حد تک نہیں پہنچتا۔ جو محدثین لفظ منکر صرف اس روایت پر ہی نہیں بولتے جو ثقہ کی مخالفت میں ضعیف راوی کی روایت ہو۔ ان کے نزدیک مذکورہ تینوں کی روایت کو منکر کا نام دیا گیا ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے ابو زکیر یحییٰ بن محمد بن قیس عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ c کی سند سے مرفوعاً بیان کیا کہ :

((كُلُوا البَلَحَ بِالتَّمْرِ فَإِنَّ ابْنَ اٰدَمَ إِذَا أَكَلَهُ غَضِبَ الشَّيْطَانُ))

"کچی (ہری) کھجور کو پکی کھجور (چھوہارے) کے ساتھ کھاؤ کیونکہ جب ابن آدم اسے کھاتا ہے تو شیطان غضب ناک ہوتا ہے۔"

☆☆☆

چھٹا سبب وہم الراوی

مفرداتِ باب

راوٍ: ....واحد مذکر اسم فاعل باب رَوٰیَرْوِی بروزن ضرب، بمعنی بیان کرنا، روایت کرنا۔ ہفت اقسام سے لفیف مقرون ہے۔

اغمض: ....واحد مذکر اسم تفضیل باب غَمُض بروزن نصر اور کرم دونوں سے آسکتا ہے بمعنی کلام کا دقیق اور پیچیدہ ہونا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔
ثاقبا: ....واحد مذکر اسم فاعل باب ثقب بروزن نصر، بمعنی روشن ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لا تباغضوا: .... جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معلوم باب تفاعل، بمعنی ایک دوسرے سے بغض وکینہ رکھنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لاتحاسدوا: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معلوم باب تفاعل، بمعنی ایک دوسرے سے حسند کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لاتدابروا: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معلوم باب تفاعل، بمعنی پیٹھ پیچھے بات کرنا یعنی غیبت کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

ولا تنافسوا: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معلوم باب تفاعل، بمعنی ایک دوسرے کے مقابلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لینا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

اکذب: ....واحد مذکر اسم تفضیل باب کذب بروزن ضرب، بمعنی جھوٹ بولنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

ولا تَحَسَّسُوا: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معلوم باب تفعل، بمعنی کسی کی ٹوہ لگانا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

ولا تَجَسَّسُوا: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معلوم باب تفعل، بمعنی کسی کی جاسوسی کرنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

لم یقصر: ...واحد مذکر غائب فعل جحد معلوم باب قصر بروزن نصر بمعنی اقتصار کرنا، منحصر کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

البلح. **کچی**: ... کھجور کو کہتے ہیں لیکن یہ اس کی تیسری حالت ہے ابتدائی حالت کو طَلعٌ کہتے ہیں اس کے بعد خلال اس کے بعد بَلَح اس کے بعد بسر پھر رطب اور آخر میں تمر جسے چھوہارا کہتے ہیں۔

☆☆....☆☆

وہم الراوی:

وہ ہے کہ حدیث کو راوی وہم کے طریق پر بیان کرے۔ جیسے سند میں موقوف کو مرفوع یا منقطع کو متصل کرنے کے ساتھ وہم ہوتا ہے (اسی طرح) متن میں بھی ایک حدیث کو دوسری میں داخل کر دینے کے ساتھ واقع ہوتا ہے۔ وہم کبھی طعن ہوتا ہے جیسے مرسل کرنے کی علت ہے اور بسا اوقات طعن نہیں ہوتا ہے جیسے سند کے رواۃ میں سے کسی ایک راوی کے نام میں وہم ہو جانے کی علت ہے۔ اس کا ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ خبر یا تو لازماً غریب ہو گی یا اس کے لیے ایک سے زیادہ سندیں ہوں گی۔ پہلی صورت میں اس کی سند میں طعن کرنے سے اس کے متن میں بھی طعن لازم آتا ہے اور اس کے برعکس بھی ہے (یعنی متن میں تنقید کرنے سے سند میں بھی تنقید لازم آئے گی)۔ اور دوسری صورت میں دونوں (سند اور متن) میں سے ایک پر تنقید اور طعن کرنے سے دوسرے پر جرح و تنقید لازم نہیں آئے گی۔ جس خبر میں وہم آجائے اسے "المُعَلُّ اور المُعَلَّلُ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ علوم حدیث کے زیادہ پیچیدہ علم میں سے ہے، اس کا ادراک صرف وہی کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے روشن دماغ اور رواۃ کے مراتب و متون کی وسیع اطلاع سے نوازا ہو۔ سند میں وہم جو کہ عیب دار کرنے والا نہیں، کی مثال بخاری کے رواۃ میں سے ایک راوی یعلی بن عبید عن سفیان الثوری عن عمرو بن دینار عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: "اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا" کہ خرید وفروخت کرنے والے اختیار کے ساتھ ہیں جب تک جدا نہ ہوں اس روایت میں یعلی بن عبید کو سفیان پر راوی کا نام عمرو بن دینار لینے میں وہم ہوا ہے حالانکہ سفیان کی روایت میں معروف عن عبداللہ بن دینار عن ابن عمر ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ثوری سے روایت لینے میں یعلی بن عبید ضعیف جبکہ دیگر رواۃ میں ثقہ ہے۔ متن میں وہم کی مثال ابو سعید بن ابی مریم عن مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: "لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا" ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو ایک دوسرے سے حسد نہ کرو ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو اور ایک دوسرے کے مقابلے میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لو۔ ان کا فرمانا: "وَلَا تَنَافَسُوْا" دراصل ابن ابی مریم نے دوسری حدیث سے لے کر اس روایت میں شامل کر دیا ہے وہ امام مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً ہے:
((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا))

"اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ کیونکہ بدگمانی جھوٹی ترین بات ہے، کسی کی ٹوہ نہ لگاؤ، جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے کے مقابلے میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لو اور آپس میں حسد نہ کرو۔" ان دونوں حدیثوں پر اتفاق کیا گیا ہے (یعنی بخاری و مسلم میں ہیں) ماسوائے "وَلَاتَنَافَسُوا" کے لفظ کے اور ان الفاظ کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ وہم، راوی کے تفرد اور دوسروں کی مخالفت سے پہچانا جاتا ہے لیکن دوسرے قرائن بھی ہیں جو اس پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس کی معرفت کا طریقہ حدیث کی سندوں کو جمع کرنا اور اس کے رواۃ کا ضبط واتقان میں اختلاف کو دیکھنا اور اس پر غور و فکر کرنا ہے۔ امام علی بن مدینی نے کہا: کسی مخصوص عنوان کی تمام سندوں کو جمع نہ کیا جائے تو اس کی غلطی واضح نہیں ہوتی۔ ☆☆☆

ساتواں سبب

مفرداتِ باب

تتضمن: ....واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب تفعل، بمعنی کسی چیز کو ضمن میں لینا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المدرج: ....واحد مذکر اسم مفعول باب ادرَج بروزن افعال بمعنی داخل کرنا، لپیٹنا۔ ہفت اقسام سے صحیح۔

سیاق: ....اسم مصدر باب سَاقَ بروزن نصر، بمعنی اسلوب۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

☆☆....☆☆

راوی کا ثقات کی مخالفت کرنا:

یہ مخالفت اپنے ضمن میں چھ انواع واقسام کو لیے ہوئے ہے:

ا۔المدرج (بفتح الراء):

یہ "اَدْرَجْتَ الشَیءِ فِی الشَّیء" سے ماخوذ ہے۔ مطلب ہے جب تم ایک چیز کو دوسری میں داخل کرو اور اس کو اس سے ملا دو تو درج بالا جملہ کہا جاتا ہے۔اس کی دو اقسام ہیں:

(ا) مدرج الاسناد:

وہ حدیث جس کی سند کا سیاق بدل جائے، اس کی صورتوں میں ایک یہ ہے کہ کسی راوی کے پاس دو حدیثیں دو مختلف سندوں سے ہوں تو دونوں کو ان میں سے ایک سند کے ساتھ بیان کر دے یا ان دونوں حدیثوں میں سے ایک کو اس کی خاص سند سے بیان کرے اور اس میں دوسری حدیث سے کچھ الفاظ لے کر اضافہ کر دے۔

دوسری صورت:

راوی کے پاس کسی سند کے ساتھ متن موجود ہے البتہ اسی متن کا کچھ حصہ اس کے پاس دوسری سند سے ہے تو وہ پورے متن کو پہلی سند کے ساتھ بیان کر دے۔

تیسری صورت: راوی نے کوئی حدیث اپنے استاد سے سنی مگر اس کا کچھ حصہ اس سے بالواسطہ سنا لیکن پھر وہ اس مکمل حدیث کو واسطہ گرا کر بیان کر دیتا ہے۔

چوتھی صورت: راوی نے ایک گروہ سے حدیث سنی جن کا اس کی سند میں اختلاف ہے تو وہ ان سب سے بغیر ان کا اختلاف واضح کیے اتفاقی طور پر بیان کر دیتا ہے۔

☆☆☆

(۲) مدرج المتن

مفرداتِ باب

اسبغوا: .... جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب افعال، بمعنی مکمل کرنا، پورا کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

ویل: .... اس کا معنی ہلاکت، شر و برائی کا نزول ہے اور نیز یہ جہنم کی وادی کا نام ہے۔

للاعقاب: .... یہ عَقِبٌ کی جمع ہے بمعنی ایڑھی۔

الطِّیَرۃ: .... اسے طاء کے کسرہ اور یاء مفتوحۃ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے بمعنی جس سے بدشگونی لیا جائے۔

☆☆....☆☆

مدرج المتن:

وہ روایت ہے جس کے متن میں بغیر فاصلے کے وہ بات داخل کر دی جائے جو اس میں سے نہیں، عموماً ادراج کا وقوع حدیث کے آخر میں ہوتا ہے جبکہ خبر کے شروع میں ادراج کا وقوع اس کے درمیان سے زیادہ ہے۔ اس کی مثالوں میں سے وہ حدیث ہے جسے خطیب بغدادی نے ابو قطن اور شبابہ کی سند سے عن شعبۃ عن محمد بن زیادہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کیا ہے:

((اَسْبِغُوْا الوُضُوْءَ وَيْلٌ لِّلأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ))

''وضو مکمل طور پر اور اچھی طرح کرو، ایڑیوں کے لیے جہنم کی ہلاکت ہے (یعنی جو وضو میں خشک رہ جائیں)۔''

اس حدیث کا جملہ ''اَسْبِغُوْا الوُضُوْءَ'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کلام سے مدرج ہے کیونکہ امام بخاری نے اسی حدیث کو آدم بن ابی ایاس کی سند سے عن شعبۃ عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: وضو اچھی طرح کیا کرو کیونکہ جناب ابو قاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایڑیوں کے لیے جہنم کی ہلاکت ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد خطیب بغدادی نے کہا: حدیث میں اس ترتیب پر جو ہم نے بیان کی ابو قطن اور شبابہ بن سوار کو شعبہ سے روایت لینے میں وہم ہوا ہے۔

اس کی دوسری مثال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلطِّیَرَةُ شِرْکٌ وَمَا مِنَّا اِلاَّ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُذْھِبُہُ بِالتَّوَکُّلِ))

"بدشگونی شرک ہے، ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جسے بدشگونی کا خیال نہ آتا ہو مگر اللہ تعالیٰ اسے توکل کی وجہ سے دور کر دیتا ہے۔"

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا "حدیث حسن صحیح" نیز کہا: میں نے امام بخاری محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ سے سنا کہ یہ جملہ "وَمَا مِنَّا اِلَّا" الخ میرے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کلام ہے (نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی)۔

☆☆☆

ادراج کے اسباب، اس کا حکم

اور جس کے ذریعے اس کی معرفت ہوتی ہے

مفرداتِ باب

دواعی: ....یہ **داعیةٌ** کی جمع ہے جو کہ واحد مونث اسم فاعل کا صیغہ ہے باب دعا یدعو بروزن نصر بمعنی بلانا، دعوت دینا۔ ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

تفسیر: .... مصدر باب فسّر بروزن تفعیل بمعنی کسی چیز کو کھول کر بیان کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الغریبة: ....واحد مونث اسم فاعل باب غَرُبَ بروزن کرم بمعنی ایسی کلام جس کا سمجھنا دشوار ہو۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

استنباط: .... باب استفعال سے مصدر بمعنی کسی سے کوئی چیز اخذ کرنا، نکالنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

ادراج کی طرف دعوت دینے والے اسباب بکثرت ہیں ان میں ایک غریب الفاظ کی تفسیر کرنا دوسرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سے حکم کو مستنبط کرنا، تیسرا کسی شرعی حکم کی وضاحت کرنا۔ ادراج فقط غریب لفظ کی تفسیر کرنے والا ہی جائز ہے یہ ممنوع نہیں جیسا کہ امام زہری اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ نے ایسا ادراج کیا ہے۔

ادراج کی معرفت چند امور سے ہوتی ہے:

ان میں سے ایک یہ ہے کہ رواۃ میں سے بعض اس مدرج عبارت کی علیحدگی کی صراحت کر دیں اور اسے اس کے قائل کی طرف منسوب کر دیں، دوسرا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس عبارت کا منسوب کرنا محال ہو۔

(۲) خبر مقلوب

مفرداتِ باب

مقلوب: ....واحد مذکر اسم مفعول باب قلب بروزن ضرب، بمعنی پلٹ دینا اور الٹ دینا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المنقلب: ....واحد مذکر اسم مفعول باب انقلب بروزن انفعال، بمعنی الٹا جانا، واپس جانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لقیتم: ....جمع مذکر حاضر فعل ماضی معروف باب لَقِیَ یَلْقٰی بروزن علم، بمعنی ملاقات کرنا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

فلا تبدؤہم: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معروف باب بَدَئَ بروزن منع، بمعنی ابتدا کرنا۔ ہفت اقسام سے مہموز اللام ہے۔

بالسلام: ....اسم مصدر باب سَلَّمَ بروزن تفعیل، بمعنی سلامتی کی دعا کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تصدق: ....واحد مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تفعل، بمعنی صدقہ خیرات کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

انفقت: ....واحد مؤنث غائب فعل ماضی معروف باب افعال، بمعنی خرچ کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

اس کا نام **المنقلب** بھی رکھا جاتا ہے، یہ وہ حدیث ہے جس کے بعض الفاظ کسی راوی پر بدل جائیں جس کی وجہ سے اس کا معنی تبدیل ہو جائے۔ قلب سند میں واقع ہوتا ہے جیسے متن میں ہوتا ہے۔ اس کی پہلی صورت کی وضاحت یہ ہے کہ حدیث کسی راوی کے ساتھ مشہور ہو تو اس کی جگہ ندرت وغیرہ بیان کرنے کے لیے اسی کے طبقہ سے دوسرا راوی رکھ دیا جائے۔ ان رواۃ میں جو یہ کام کرتے ہیں حماد بن عمر ونصیبی ہے جس کی نسبت نصیبین شہر کی طرف ہے، امام بخاری نے فرمایا یہ منکر الحدیث ہے۔

اس کی مثالوں میں سے یہ حدیث ہے:

((اِذَا لَقِیْتُمُ الْمُشْرِکِیْنَ فِی الطَّرِیْقِ فَلَا تَبْدَؤُہُمْ بِالسَّلَامِ))

"جب تم کسی راستے میں مشرکین کو ملو تو ان سے سلام میں ابتداء نہ کرو۔" سند کے راوی حماد بن عمرو نے اسے الٹ دیا تو اسے اعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی سند سے مرفوعاً بیان کیا حالانکہ یہ عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ سند میں قلب کی شکل میں سے وہ تبدیلی بھی جو رواۃ کے ناموں میں تقدیم و تاخیر کرنے واقع ہو۔ مثلاً مرہ بن کعب اور کعب بن مرہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا نام دوسرے کے والد کے نام کی طرح ہے۔ متن میں قلب کی مثال وہ ہے جسے امام مسلم نے سات آدمیوں والی حدیث سے بیان کیا جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن سایہ نصیب کرے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اس حدیث میں ہے:

((وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِيْنُهُ مَا اَنْفَقَتْ شِمَالُهُ))

"ایک وہ آدمی ہے جس نے کوئی صدقہ کیا اور اسے چھپایا یہاں تک کہ اس کے دائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہوا جو اس کے بائیں ہاتھ نے خرچ کیا۔" حالانکہ یہ اس طرح تھا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو جو اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا جیسا کہ امام بخاری نے روایت کیا، نیز امام مسلم نے بھی اس حدیث کی اپنی دو روایتوں میں سے ایک میں اسی طرح بیان کیا ہے۔ قلب میں سے یہ بھی ہے کہ کسی متن کی سند لے لی جائے اور اسے دوسرے متن پر رکھ دیا جائے اس سند کا متن لیا جائے اور اسے دوسری سند کے ساتھ رکھ دیا جائے جیسا کہ اہل بغداد نے امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے ساتھ کیا تھا۔ اس واقعہ کو خطیب نے اپنی تاریخ اور ابن حجر نے النکت علی ابن الصلاح میں ذکر کیا ہے۔ (یہ واقعہ محل نظر ہے۔ [ابو سفیان])

☆☆☆

(۳) المزید فی متصل الاسانید

(یعنی متصل سند میں اضافہ کرنا)

مفرداتِ باب

المزید: ....واحد مذکر اسم مفعول باب **زَادَ یَزِیْدُ** بروزن ضرب، بمعنی اضافہ کرنا۔ ہفت اقسام سے اجوف یائی ہے۔

اتقن: ....**تَقُنَ** بروزن **شَرُفَ** سے اسم تفضیل واحد مذکر بمعنی زیادہ ماہر، زیادہ حاذق۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تُرُجِحَتْ: ....واحد مؤنث غائب فعل ماضی مجہول باب **تَرَجَّحَ** بروزن **تفعل**، بمعنی ترجیح قائم کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لا تجلسوا: ....جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معروف باب **جَلس** بروزن ضرب، بمعنی بیٹھنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لا تصلوا: .... جمع مذکر حاضر فعل نہی حاضر معروف **باب صَلَّی بروزن تفعیل**، بمعنی نماز ادا کرنا۔ ہفت اقسام سے ناقص واوی ہے۔

☆☆....☆☆

مزید فی متصل الاسانید:

وہ روایت ہے جس میں مخالفت سند کے مابین کہ جس کا ظاہر متصل ہے، راوی کے اضافہ سے ہو۔

اس کا حکم:

اس سند کا اعتبار کیا جائے گا جو اس اضافہ سے خالی ہو، بشرطیکہ جب اضافہ نہ کرنے والا زیادہ متقن (یعنی) زیادہ مضبوط حافظے والا ہو اس سے جس نے زیادتی کی جگہ پر سماع کے ساتھ اضافہ کیا ہے، وگرنہ اس اضافہ کو راجح قرار دیا جائے گا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور ترمذی نے عبداللہ بن مبارک عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر عن بسر بن عبیداللہ عن ابی ادریس الخولانی عن واثلۃ بن الاسقع عن ابی مرثد الغنوی کی سند سے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا))

"قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔"

امام ابی عیسیٰ ترمذی نے کہا: امام بخاری محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ نے فرمایا: ابن مبارک کی روایت خطا پر مبنی ہے، اس میں عن ابی ادریس کا اضافہ کر دیا حالانکہ درحقیقت یہ سند بسر بن عبیداللہ عن واثلۃ ہے۔

☆☆☆

(۴) المضطرب (بکسر الراء)

مفرداتِ باب

المضطرب: .... واحد مذکر اسم فاعل **باب اضطرب بروزن افتعال**، بمعنی خلل پذیر ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

رَوت: .... واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم **باب روی یروی بروزن ضَرَبَ**، ہفت اقسام سے لفیف مقرون۔

المُثْبَتُ: .... واحد مذکر اسم مفعول **باب اَثْبَتَ بروزن افعال**، ہفت اقسام سے صحیح۔

المنفی: ....واحد مذکر اسم مفعول باب **نفی ینفی بر وزن ضرب**، ہفت اقسام سے ناقص یائی۔

☆☆....☆☆

مضطرب:

وہ حدیث ہے جو مختلف سندوں سے بیان کی گئی ہو جو قوت میں ہم مثل ہیں۔ خواہ اختلاف ایک راوی کی طرف سے ہو کہ ایک مرتبہ ایک طریقے سے اور دوسری مرتبہ دوسرے طریقے سے روایت کرے جو پہلے کے برخلاف ہے یا ایک سے زیادہ راویوں کی طرف سے اختلاف ہو۔

وہ اس طرح کہ اس حدیث کو ایک گروہ نے بیان کیا ہو ان میں سے ہر ایک ایسے طریقے پر روایت کرے جو دوسرے کے مخالف ہے۔ اضطراب ضعف حدیث کو لازم کرتا ہے کیونکہ یہ اس حدیث کے رواۃ کے عدم ضبط کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ سند میں اور متن میں بھی اور ان دونوں میں اکٹھا واقع ہوتا ہے۔ پھر اگر اس حدیث کے کسی راوی کے ضبط کے سبب یا اس کا مروی عنہ سے کثرت صحبت کے سبب یا اس کے علاوہ ترجیح کی دیگر وجوہات میں سے ایک وجہ راجح قرار دی جائے تو (اس وقت) راجح وجہ کا حکم ہوگا نیز اس وقت حدیث پر اضطراب کا وصف نہیں بولا جائے گا اور نہ ہی اس کے لیے اس کا حکم ہوگا۔ متن میں اس کی مثالوں میں سے وہ روایت ہے جسے امام ترمذی نے عن شریک عن ابی حمزۃ عن الشعبی عن فاطمۃ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوۃ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: ''**اِنَّ فِیْ الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکَاۃِ**'' زکوۃ کے علاوہ بھی مال میں حق ہے۔

امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو اسی سند سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا: ''**لَیْسَ فِیْ الْمَالِ حَقٌّ سِوَی الزَّکوۃِ**'' کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ کوئی حق نہیں۔ حافظ عراقی نے کہا: یہ ایسا مضطرب ہے جو تاویل کا متحمل نہیں، کہا گیا ہے کہ اس کی تاویل ممکن ہے کہ اس صحابیہ نے دونوں الفاظ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیے ہیں اور ثابت ہونے والا حق غیر واجب ہوگا جیسا کہ نفلی صدقہ مہمان کی تکریم وغیرہ ہے جبکہ نفی ہونے والا حق واجب ہے۔ واللہ اعلم

دونوں حدیثوں کا مطلب ہوا کہ زکوۃ کے علاوہ کوئی فرضی حق نہیں جبکہ نفلی صدقہ و خیرات کا حق باقی ہے۔

☆☆☆

المصحف

مفرداتِ باب

المُصَحَّف: ....واحد مذکر اسم مفعول باب **صَحَّفَ بر وزن تفعیل**، ہفت اقسام سے صحیح۔

لَتُؤدُّنَّ: .... جمع مذکر حاضر فعل مضارع معلوم بانون تاکید ثقیلہ باب اَدّیٰ یُؤدی تَأْدِیَةً بروزن تفعیل، ہفت اقسام سے مہموز الفاء، ناقص یائی۔

☆☆....☆☆

مصحف:

وہ حدیث ہے جس میں نقطوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے ایک یا زیادہ حروف کی تبدیلی کے ساتھ مخالفت ہو لیکن خط کی صورت کو باقی رکھا گیا ہو۔

یہ سند میں اور متن میں بھی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ پہلے کی (سند کی) مثال سے شعبہ کی حدیث ہے جو اس نے عوام بن مراجم (راء اور جیم کے ساتھ) عن ابی عثمان النہدی عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَتُؤَدُّنَّ الْحَقُوْقَ اِلٰى اَهْلِهَا'' تم ضرور لوگوں کے حقوق ادا کر دو گے۔

یحیٰ بن معین نے اس کی تصحیف کر دی اور کہا کہ عوام بن مزاحم (را اور جیم کی جگہ زاء اور حاء کر دیا) اس حدیث کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ دوسرے کی (متن کی) مثال یہ حدیث ہے:

((مَنْ صَامَ رَمْضَانَ وَاَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَالٍ...))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے.... الحدیث۔'' (مسلم)

ابو بکر صولی نے اس کی تصحیف کی اور ''سِتًّا'' کی جگہ ''شَيْئًا مِنْ شَوَّالٍ'' شین اور یاء کے ساتھ کر دیا۔

☆☆☆

(٦) المحرّف

مفرداتِ باب

المحرّف: .... واحد مذکر اسم مفعول باب حَرَّف بروزن صرَّف، ہفت اقسام سے صحیح۔ اَلْحَلِم: .... کَحِلَ بروزن علم سے اسم مشتق، بمعنی بازو کی ایک رگ، اور آخر میں ''ہ'' ضمیر ہے۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

محرّف:

وہ حدیث ہے جس میں شکل و صورت کے لحاظ سے ایک حرف یا زیادہ کی تبدیلی کے ساتھ اختلاف ہو، لیکن خط کی صورت باقی رہے۔ سند میں تحریف کی مثال سے لفظ عَقیل بفتح العین کو عُقیل بضم العین کے ساتھ بدلنا ہے اور اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں۔

متن میں اس کی مثال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

((رُمِیَ اُبَیٌّ یَوْمَ الْاَحْزَابِ فِیْ اَکْحَلِہٖ))

''غزوہ احزاب کے دن حضرت ابی بن کعب کو بازو کی رگ میں تیر لگا۔''

غندر نے اس میں تحریف کر دی اور اور لفظ ''اَبِي'' اضافت کے ساتھ کر دیا (یعنی میرا والد) حالانکہ در حقیقت یہ ابی بن کعب ہے اور حضرت جابر کے والد تو غزوہ احد کے دن شہید کیے گئے تھے۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مناسب الفاظ کے ساتھ خالی جگہ پر کیجیے:

۱۔ اسباب طعن.... ہیں، جن میں سے پانچ کا تعلق .... سے ہے، جبکہ بقیہ پانچ کا تعلق.... سے ہے۔

۲۔ نکبۃ اسم ....ہے۔

۳۔ **المتهم بالکذب** کی روایت کو....کا نام دیا گیا ہے۔

۴۔ ''**اسبغوا الوضوء**'' ....کے کلام سے مدرج ہے۔

۵۔ خبر مقلوب کو.... بھی کہا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ کذب اور تہمت بالکذب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ اگر مقصد درست ہو تو پھر برا کام بھی درست کہلا سکتا ہے۔

۳۔ کسی انسان کو جلانا درست ہے۔ کیونکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جلایا تھا۔

۴۔ روایات کی مخفی علت پر واقفیت علوم حدیث کے پیچیدہ مسائل میں سے ہے۔

۵۔ ادراج عموماً حدیث کے درمیان میں ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ روایات گھڑنے کے اسباب بالاختصار تحریر کیجیے۔

۲۔ تحقیق کر کے بتلایے کہ کیا خوارج روایات گھڑ لیتے تھے؟

۳۔ موضوع روایات پر لکھی گئی کسی کتاب کا نام مع مصنف تحریر کیجیے۔

۴۔ منکر کی تعریف میں اختلاف کی وضاحت کیجیے۔

۵۔ تفرد کسے کہتے ہیں؟ اور کس راوی کا تفرد قابل قبول ہوتا ہے؟

۶۔ کیا کسی صورت میں راوی کا وہم قابل قبول ہوتا ہے؟ اگر ہاں تو اس شکل کی وضاحت کیجیے۔

۷۔ آپ کی کتاب میں وہم کی دی گئی مثال پر وہم کے اصول کا انطباق کیجیے۔

۸۔ امام علی بن مدینی کے اس قول کی وضاحت کیجیے کہ "کسی مخصوص عنوان کی تمام سندوں کو جمع نہ کیا جائے تو اس کی غلطی واضح نہیں ہوتی۔"

۹۔ مدرج الاسناد کسے کہتے ہیں؟

۱۰۔ مدرج الاسناد کی صورتیں بالاختصار اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۱۱۔ ادراج عموما حدیث کے آخر میں ہی کیوں ہوتا ہے؟

۱۲۔ ادراج کیوں ہوتا ہے؟ وجہ بیان کیجیے۔

۱۳۔ اصول حدیث میں منکر الحدیث کسے کہا جاتا ہے؟

۱۴۔ کیا مقلوب مخالفت ثقات کی ایک صورت ہے؟

۱۵۔ متصل سند میں اضافہ کو کب قبول کیا جائے گا؟

۱۶۔ مضطرب روایت کیوں رد کی جاتی ہے؟

۱۷۔ تحریف اور تصحیف میں کیا فرق ہے؟

۱۸۔ محرف کی مثال کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

آٹھواں سبب

راوی کی جہالت:

(اس کا سبب دو معاملے ہیں):

اوّل:

نام، کنیت، لقب، پیشہ یا نسبت وغیرہ سے راوی کی صفات بکثرت ہوں اور کسی غرض کے لیے اس صفت سے اس کا تذکرہ کیا جائے جس کے ساتھ وہ مشہور نہیں۔ پس گمان کیا جائے کہ یہ دوسرا راوی ہے لہٰذا اس کی حالت سے جہالت وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال محمد بن سائب کلبی ہے، بعض محدثین نے اس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کر دی اور کہا محمد بن بشر جبکہ بعض نے اس کا نام حماد بن سائب لیا، بعض محدثین نے اس کی کنیت ابو نضر اور بعض نے ابو ہشام جبکہ بعض نے ابو سعید نے بیان کیا۔ یہ راوی ایسی حالت میں ہو گیا کہ ایک گروہ خیال ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک شخص ہے اس فن میں کتاب لکھی گئی ہے **المُوَضِّحُ لِاَوْہَامِ الجَمَعِ وَالتَّفْرِیْقِ فِی النُّعُوتِ**۔

ثانی:

راوی، حدیث (بیان کرنے) میں قلیل ہو (یعنی قلیل الحدیث ہو) اور اس سے بکثرت روایت نہ ہو۔ اس موضوع میں الوُحدان نامی کتاب تصنیف کی گئی ہے۔

مجہول کی اقسام

مجہول کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مجہول العین:

یہ وہ راوی جس سے صرف ایک آدمی ہی بیان کرے۔ مجہول العین کی روایت کا حکم رد ہوتا ہے۔ البتہ اگر اس کی توثیق کر دی جائے خواہ اس سے روایت لینے والے کی طرف سے ہی ہو (پس اس کی روایت مقبول ہو گی) بشرطیکہ جب یہ روایت لینے والا اہل جرح وتعدیل میں سے ہو۔

(۲) مجہول الحال:

اس کا نام مستور بھی رکھا گیا ہے، یہ وہ انسان ہے جس سے ایک سے زیادہ راوی حدیث لیں بغیر توثیق کے، اس کی روایت کا حکم توقف اختیار کرنا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حالت واضح ہو جائے۔

مبہم اور اس کی روایت کا حکم

مبہم وہ راوی ہے جس کا نام اختصار وغیرہ کی غرض سے واضح نہ کیا گیا ہو گویا کہ اس سے روایت لینے والا کہے مجھے ثقہ نے یا شیخ نے یا آدمی وغیرہ نے خبر دی۔ مبہم کی روایت کا حکم صحیح ترین قول کے مطابق عدم قبولیت ہے اگرچہ تعدیل کے لفظ سے ہی ابہام کیا گیا ہو۔ گویا کہا جائے کہ: ''**اَخْبَرَنِیْ ثِقَۃٌ اَوْ ثَبَتٌ**'' کیونکہ بسا اوقات اس کہنے والے کے علاوہ کے نزدیک وہ ثقہ نہیں ہوتا۔

☆☆☆

نواں سبب

مفرداتِ باب

الابتداع: ....مصدر باب ابتدع سے بروزن افتعال، ہفت اقسام سے صحیح۔

الاختراع: ....مصدر باب اخترع بروزن افتعال، ہفت اقسام سے صحیح۔

البدعۃ: ....یہ بَدَعٌ سے مشتق ہے بروزن منع، بمعنی نئی چیز، ہفت اقسام سے صحیح۔

المُحْدِث: ....واحد مذکر اسم فاعل باب اَحْدَثَ بروزن افعال، بمعنی نئی چیز پیدا کرنا، ہفت اقسام سے صحیح۔

مُکَفِّرة: ....واحد مونث اسم فاعل باب کفَّر بروزن تفعیل، بمعنی کافر قرار دینا، ہفت اقسام سے صحیح۔

مُفَسِّقَة: ....واحد مونث اسم فاعل، باب فَسَّقَ بروزن تفعیل، بمعنی فاسق قرار دیناہفت اقسام سے صحیح۔

☆☆....☆☆

بدعت:

بدعت اور ابتداع (کا لغوی معنی) ایجاد کرنا اور نئی چیز بنانا ہے، اور شرعی لحاظ سے دین میں ایجاد کی ہوئی چیز کو بدعت کہتے ہیں۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مُکَفِّرَة (تکفیر کرنے والی):

مطلب ہے کہ ایسے بدعتی کو کافر قرار دیا جائے گا یعنی یہ کہ وہ ایسے معاملے کا انکار کر دے جس پر اجماع ہے اور وہ متواتر ہے اور دین میں قطعی طور پر معروف ہے۔ ایسے راوی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

(۲) مُفَسِّقة:

ایسی بدعت والے کو گنہگار کہا جائے گا اور اس کی روایت قبول ہوگی جب کہ (وہ روایت) اس کی بدعت کی طرف دعوت دینے والی نہ ہو اور نہ ایسی حدیث نقل کرنے والا ہو جس سے اس کی بدعت کو ترویج ملے۔ یہی وہ بات ہے جسے جمہور نے پسند کیا ہے اور یہ صحیح ہے۔

☆☆☆

دسواں سبب

مفرداتِ باب

لم تترجح: ....واحد مونث غائب فعل جحد معلوم باب ترجح بروزن تصرف، ہفت اقسام سے صحیح۔

اصابة: ....مصدر باب اصاب یصیب بروزن افعال، مراد درستگی، ہفت اقسام سے اجوف واوی۔

لم یتمیز : ....واحد مذکر غائب، فعل جحد معلوم، باب تَمَیَّزَ بروزن تَصَرَّفَ، ہفت اقسام سے اجوف یائی۔

☆☆....☆☆

سوء الحفظ:

سئ الحفظ سے مراد وہ شخص ہے جس کی درستی والی جانب کو اس کی خطا والی جانب پر راجح قرار نہ دیا گیا ہو۔ اس کی دو انواع ہیں:

اوّل:

جو پیدا ہی سوء الحفظ پر ہوا ہو اور اس (کی زندگی کے) تمام حالات میں اس کو چمٹا رہا۔ اس کی بیان کردہ روایت کو بعض محدثین کے نزدیک شاذ کا نام دیا جاتا ہے۔

ثانی:

وہ انسان کہ اس کے بڑھاپے یا اس کی بصارت چلے جانے یا اس کی کتب ضائع ہونے کے سبب اس کے علاوہ کوئی اور وجہ کے سبب اس پر سوء الحفظ طاری ہوا ہو۔ تو اس آدمی کی روایت کا نام محدثین نے المختلط رکھا ہے۔

اس کی بیان کردہ حدیث کا حکم یہ ہے کہ جو اس نے اختلاط سے قبل بیان کی اور وہ معلوم ہے تو وہ قبول کی جائے گی۔ اور جو بعد از اختلاط بیان کی تو وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ نیز جس روایت کا (قبل از اختلاط ہونا یا بعد از اختلاط ہونا) امتیاز نہ کیا جاسکے اس میں توقف کیا جائے گا۔

☆☆☆

مرفوع، موقوف اور مقطوع کی طرف خبر کی تقسیم

مفرداتِ باب

منتھی: ....واحد مذکر اسم مفعول باب انتھیٰ بروزن انفعال، ہفت اقسام سے ناقص یائی۔

أضیف: ....واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب اضاف یضیف بروزن افعال، ہفت اقسام سے اجوف یائی۔

الاٰتیة: ....واحد مؤنث اسم فاعل باب اتیٰ یأتی بروزن ضرب بمعنی آنے والی، ہفت اقسام سے مہموز الفاء، ناقص یائی۔

☆☆....☆☆

اپنی سند کے انتہاء کے اعتبار سے خبر کی مرفوع، موقوف اور مقطوع کی طرف تقسیم ہوتی ہے۔

مرفوع اور اس کی اقسام:

مرفوع وہ حدیث ہے جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے یا تقریر سے۔ درآں حالیکہ یہ تینوں چیزیں صریح ہوں یا حکمی۔ مرفوع کی چھ اقسام ہیں:

(۱) مرفوع قولی صریح:

مرفوع قولی صریح ہونے کی حالت میں، مثلاً صحابی کہے: ''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یَقُوْلُ كَذَا'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے سنا(اسی طرح) صحابی یا غیر صحابی یہ کہے: ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یَقُوْلُ كَذَا'' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرمایا کرتے تھے۔

(۲) مرفوع فعلی صریح:

مرفوع فعلی صریح ہونے کی حالت میں، مثلاً صحابی کہے: ''رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یَفْعَلُ كَذا'' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا۔ اسی طرح صحابی یا غیر صحابی کہے: ''كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم یَفْعَلُ كَذا'' کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کیا کرتے تھے۔

(۳) مرفوع تقریری صریح:

مرفوع تقریری صریح ہونے کی صورت میں، مثلاً صحابی کہے: ''فَعَلْتُ بِحَضَرَةِ النَّبِيِّ صلی اللّٰه علیه وسلم كَذَا'' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس طرح کیا تھا۔ اسی طرح صحابی یا غیر صحابی کہے: ''فَعَلَ فُلَانٌ بِحَضَرَةِ النَّبِيِّ صلی اللّٰه علیه وسلم كَذَا'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فلاں آدمی نے اس طرح کیا تھا۔ بشرطیکہ صحابی یا غیر صحابی اس کام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ذکر نہ کرے (تو پھر تقریری حدیث ہوتی ہے)۔

(۴) مرفوع قولی حکمی:

مرفوع قولی حکمی ہونے کے لحاظ سے، مثلاً صحابی جو کہ اہل کتاب سے روایت لینے میں معروف نہیں ایسی بات کہے جس میں رائے اور اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور نہ ہی غریب لفظ کی وضاحت یا مشکل لفظ کی شرح کرنے سے تعلق ہو۔ مثلاً صحابی کا گذشتہ زمانے کے معاملات کی خبر دینا جیسا کہ تخلیق کی ابتداء

وغیرہ ہے یا مستقبل میں آنے والے واقعات کے حوالے سے بتانا، جیسا کہ فتنے اور قیامت کے حالات۔ اسی طرح اس صحابی کا ایسے کام کے حوالے سے خبر دینا جس کے کرنے سے مخصوص ثواب یا مخصوص سزا حاصل ہوتی ہے۔ (یہ تمام چیزیں مرفوع قولی حکمی کے زمرے میں آتی ہیں)۔

(۵) مرفوع فعلی حکمی: مرفوع فعلی حکمی کے لحاظ سے، مثلاً صحابی ایسا کام کرے جس میں رائے کی گنجائش نہیں جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا گرہن کی نماز پڑھنا اور ہر رکعت میں دو رکوع سے زیادہ رکوع کرنا۔

(۶) مرفوع تقریری حکمی:

مرفوع تقریری حکمی کے اعتبار سے، مثلاً صحابی بتائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ اس طرح کیا کرتے تھے اور آپ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔ ان صیغوں میں سے جن کے لیے مرفوع ہونے کا حکم ہے، صحابی کا یہ کہنا ہے: ''مِنَ السُّنَّةِ كَذَا'' سنت سے اس طرح ہے۔ ''أُمِرْنَا بِكَذَا'' ''ہمیں اس طرح حکم دیا گیا'' نُهِينَا عَنْ كَذَا'' ہمیں اس سے منع کیا گیا تھا۔

یا صحابی افعال میں سے کسی کام پر حکم لگائے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری یا نافرمانی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جس نے شک والے دن روزہ رکھا تحقیق اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اسے اصحاب سنن نے روایت کیا ہے جبکہ امام بخاری نے معلق بیان کیا ہے۔

☆☆☆

موقوف، صحابی اور جس کے ساتھ صحابیت کا علم ہوتا ہے

مفرداتِ باب

تَخَلَّلَتْ: ....واحد مؤنث غائب فعل ماضی معلوم باب **تَخَلَّلَ** بروزن تصرف بمعنی حائل ہونا، ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی۔

ردة: ....اسم مصدر باب رَدَّ یرُدّ بروز نصر بمعنی مرتد ہونا، ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی۔

الاستفاضة: ....مصدر باب استفاض بروزن استفعال بمعنی شہرت، ہفت اقسام سے اجوف یائی۔

☆☆....☆☆

موقوف:

موقوف وہ روایت ہے جس کی نسبت صحابی کی طرف کی گئی ہو، خواہ اس کا تعلق قول سے ہو، فعل سے یا تقریر سے۔ **صحابی:** وہ انسان ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پر ایمان لانے کی حالت میں ملاقات کی ہو اور وفات بھی اسلام پر آئی ہو۔ اور راجح قول کے مطابق اگرچہ ارتداد نے اس میں خلل ڈالا ہو۔ (یعنی ایسا آدمی اگر بعد میں مرتد ہو گیا لیکن پھر مسلمان ہو گیا اور اس کی موت اسلام پر ہی آئی تو اسے صحابی ہی گردانا جائے گا، ارتداد کا عرصہ اس میں مضر نہیں)۔ صحابیت کی پہچان تواتر سے ہوتی ہے یا شہرت سے یا بعض صحابہ یا ثقات تابعین کے بتانے سے یا بذاتِ خود اپنے متعلق وضاحت کرے کہ وہ صحابی ہے بشرطیکہ جب اس کا یہ دعویٰ ممکن ہو۔

☆☆☆

مقطوع اور منقطع کے درمیان فرق

مفرداتِ باب

المقطوع: ....واحد مذکر اسم **مفعول باب قَطَعَ بروزن ضرب**، ہفت اقسام سے صحیح۔

المُخَضْرَمُ: ....**باب خَضْرَمَ بروزن دحرج** سے اسم مشتق بمعنی غیر مختون جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو دیکھا ہو اور دوسرا معنی ہی مراد ہے۔

لم يَلْقَهٗ: ....واحد مذکر غائب فعل جحد معلوم **باب لقي يلقىٰ بروزن علم يعلم**، بمعنی اس نے اس سے ملاقات نہیں کی۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

☆☆....☆☆

مقطوع: وہ روایت ہے جس کی نسبت تابعی یا اس سے نیچے کسی انسان کی طرف کی گئی ہو خواہ اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے۔

مقطوع اور منقطع کے درمیان اصطلاحی لحاظ سے یہ فرق ہے کہ پہلی (مقطوع) متن کی صفات میں سے ایک صفت ہے جیسا کہ مرفوع اور موقوف ہے۔ جبکہ دوسری (منقطع) سند کی صفات میں سے ایک صفت ہے معلق اور مرسل کی طرح۔

تابعی:

وہ انسان ہے جو ایمان کی حالت میں کسی صحابی سے ملا ہو اور اس کی وفات اسلام پر ہی ہوئی ہو۔

المخضرم: وہ انسان ہے جس نے جاہلیت کا دور اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہو لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا نہ ہو۔

مخضرم حضرات کی تعداد بیس سے زیادہ ہے، ان میں سے احنف بن قیس، ابو سلمہ خولانی، ابو رجاء عطاردی اور ابو عثمان نہدی ہیں۔ صحیح قول کے مطابق یہ تابعین میں سے ہیں۔

العلو والنازل (عالی اور نازل سند)

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل سند کے ساتھ خصوصیت بخشی ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: سند دین کا حصہ ہے اگر سند نہ ہوتی تو ہر کوئی جو چاہتا کہہ ڈالتا۔ (مسلم) جناب سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: سند مؤمن کا اسلحہ ہے۔

عُلوّ:

سند کے رواۃ کے تعداد میں کم ہونے کو علو کہتے ہیں۔

نازل:

اور رواۃ کی کثرت کو نزول کہتے ہیں۔ یہ دونوں سند کی صفات میں سے ہیں۔ سند کا عالی ہونا اس کے نزول سے افضل ہے بشر طیکہ سند عالی، ضعف سے خالی ہو۔ بصورت دیگر اگر ضعف موجود ہے تو اس میں کوئی فضیلت نہیں بالخصوص اس صورت میں کہ وہ سند بعض کذاب یا متہم بالکذب رواۃ پر مشتمل ہو (پھر تو بالا والی فضیلت مفقود ہو گی)۔

حافظ ابن الصلاح نے فرمایا: علو سند کو خلل سے دور لے جاتا ہے کیونکہ اس کے رواۃ میں سے ہر ایک احتمال رکھتا ہے کہ اس کی طرف سے سہواً یا عمداً خلل واقع ہو۔ لہٰذا ان کی قلت کے وقت خلل کی جہات کی قلت بھی ہو گی۔

عالی اور نازل ہونے کے اعتبار سے خبر کی تقسیم

اپنی سند کے عالی اور نازل ہونے کے لحاظ سے خبر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خبر عالی:

وہ حدیث ہے جس کی سند کے راوی کم تعداد میں ہوں بنسبت دوسری سند کے جس سے یہی حدیث کثیر رواۃ سے منقول ہے۔

(۲) خبر نازل:

وہ حدیث ہے جس کی سند کے راوی زیادہ تعداد میں ہوں بنسبت دوسری سند کے جس سے یہی حدیث کم راویوں سے منقول ہے۔ عالی اور نازل میں ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: مطلق اور نسبی۔

علو مطلق کے لحاظ سے عالی روایت:

وہ حدیث ہے جو تعداد میں کم راویوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے بنسبت دوسری سند کے جس سے یہی حدیث رواۃ کی کثرت سے منقول ہو۔ اس کی ضد نزول مطلق کے لحاظ سے نازل روایت ہے جو کہ واضح ہی ہے۔

علو نسبی کے اعتبار سے عالی روایت: وہ خبر ہے جس کی سند کم راویوں کے ساتھ امام مالک اور امام شعبہ جیسے ائمہ حدیث میں سے مشہور امام تک پہنچے بنسبت کسی دوسری سند کے جس سے یہی خبر راویوں کی کثیر تعداد سے پہنچی ہے۔ اس کی ضد نزول نسبی کے اعتبار سے نازل روایت ہے۔

☆☆☆

انواع النسبی

مفرداتِ باب

تَتَفَرَّعُ: .... واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب تفعّل، بمعنی اصول سے متفرع ہونا یعنی نکلنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المُوَافَقَةُ: .... باب مفاعلہ سے مصدر، بمعنی موافقت کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

مُشِیراً: .... واحد مذکر اسم فاعل باب اَشَارَ یُشِیْرُ بروزن افعال، بمعنی اشارہ کرنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

المساواۃ: .... باب مفاعلہ سے مصدر، بمعنی برابری کرنا۔ ہفت اقسام سے لفیف مقرون ہے۔

تَعْدِلُ: .... واحد مؤنث غائب فعل مضارع معروف باب عَدَلَ بروزن ضرب ہفت اقسام سے صحیح۔

المُصَافَحَة: ....باب مفاعلہ سے مصدر، بمعنی مصافحہ کرنا،ہاتھ سے ہاتھ ملانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تلمیذ: ....باب تَلْمَذَ بروزن دَحْرَجَ سے اسم مشتق ہے بمعنی شاگرد، خادم، ہفت اقسام سے صحیح۔

تلاقیا: .... تثنیہ مذکر غائب فعل ماضی معروف باب تَلَاقٰی بروزن تفاعل، بمعنی باہم ملاقات کرنا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

☆☆....☆☆

نسبی کی چار اقسام بنتی ہیں:

(۱) موافقت:

راوی کا کسی مصنف مثلاً امام بخاری کے استاد تک ان کی سند کے علاوہ دوسری کے ساتھ پہنچنا جو مصنف کی سند کی بنسبت عالی ہو۔

حافظ ابن حجر نے اس کی مثال بیان کی کہ امام بخاری نے ایک حدیث قتیبہ عن مالک لی، مثال کے طور پر آگے فرمایا: اگر ہم اسے امام بخاری کی سند سے بیان کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے مابین آٹھ واسطے ہوں گے۔ اور اگر اسے ہی ہم ابو العباس السراج عن قتیبہ کی سند سے روایت کریں تو ہمارے اور قتیبہ کے درمیان سات واسطے ہوں گے۔ چنانچہ امام بخاری کے ساتھ ان کے شیخ قتیبہ میں ہمیں عالی سند کے ساتھ موافقت حاصل ہو گی۔

(۲) بدل:

(اس کا نام ابدال بھی رکھا گیا ہے) کسی مصنف کے شیخ کے شیخ تک اس کی سند کے علاوہ کسی دوسری سند سے پہنچنا جو بنسبت اس کی سند کے عالی ہو۔ اس کی مثال وہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے جس کی مذکورہ مثال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وضاحت فرمائی۔ یعنی گویا یہی سند بعینہٖ ہمارے لیے وقوع پذیر ہو۔ امام بخاری کے علاوہ دوسری سند سے قعنبی عن مالک تک تو امام قعنبی اس سند میں امام بخاری کے شیخ جناب قتیبہ سے بدل ہیں۔ موافقت اور بدل میں سے ہر ایک کا اعتبار عموماً اس وقت ہوتا ہے جب دونوں علو پر مشتمل ہوں البتہ اس کے بغیر بھی ان دونوں کا استعمال اور وقوع ہوتا ہے۔

(۳) مساوات:

راوی کی سند کے رواۃ کی تعداد کسی ایک مصنف کی سند کی تعداد سے برابر ہو تو اسے مساوات کہتے ہیں۔ اس کی مثال وہ روایات ہیں جو حافظ ابن حجر کے لیے وقوع پذیر ہوئیں۔ ان میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حافظ ابن حجر کے مابین دس آدمی ہیں جبکہ امام ترمذی اور امام نسائی کے لیے بھی اسی تعداد سے یہ روایات آئی ہیں۔ ترمذی کی وہ روایت مراد ہے جو انہوں نے سورۃ الاخلاص کی فضیلت میں نقل کی، اور اسے امام نسائی نے کتاب

الصلوٰۃ میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ: "قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ" سورۃ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حافظ صاحب نے کہا: میں اس سند سے لمبی کسی حدیث کی سند نہیں جانتا، اسی میں چھ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر کا اس موضوع پر ایک "جزء" ہے جس میں دس ایسی حادیث ہیں اور اس کا نام العشرۃ العشاریۃ رکھا ہے۔ حافظ عراقی نے کہا: پہلے زمانے میں مساوات کا وجود تھا لیکن آج کے دور میں مطلق تعداد میں تو مساوات ممکن ہے لیکن بعینہٖ کسی حدیث میں اس کا امکان نہیں۔

(۴) مصافحہ: وہ ہے کہ راوی کی سند تعداد کے لحاظ سے کسی مصنف کے شاگرد کی سند کے برابر ہو جائے۔ راوی کی یہ حیثیت ہو جائے کہ گویا وہ مصنف کو ملا اور اس سے روایت بیان کی۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ آپس میں ملاقات کرنے والوں کے درمیان مصافحہ کی عادت جاری ہے۔

☆☆☆

رِوایۃُ الاقرانِ والمُدبجِ

(اقران اور مدبج کی روایت)

مفرداتِ باب

الاقران: ....یہ قرنٌ کی جمع ہے جو کہ مصدر ہے باب **قَرِن** بروزن **علم** سے، ہفت بمعنی دوسرے سے ملا ہوا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔
المُدَبَّجُ: ....واحد مذکر اسم مفعول باب **دَبَّجَ** بروزن **تفعیل**، ہفت اقسام سے صحیح۔

☆☆....☆☆

اقران کی روایت:

ایسے دو ساتھی جو عمر میں اور مشائخ سے روایت لینے میں قریب قریب ہوں، وہ قرینان کہلاتے ہیں۔ اور اقران کی روایت وہ ہے کہ ایک ساتھی اپنے دوسرے ساتھی سے روایت کرے جیسا کہ اعمش کا تیمی سے روایت کرنا۔

المدبج (دال مفتوحہ اور باء مشدد کے ساتھ) : یہ لفظ "دِیْبَاجَتَیِ الْوَجْہِ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی چہرے کے دونوں رخسار ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں برابر اور ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں۔

اصطلاحی لحاظ سے دو ساتھیوں میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے جیسا کہ حضرت عائشہ c کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ c سے روایت کرنا ہے۔ یا جیسے امام مالک اور امام اوزاعی کا روایت کرنا یا جیسے احمد بن حنبل اور علی بن مدینی کا ایک دوسرے سے روایت ہے۔

مدبج خاص مطلق ہے اقران سے۔ (یعنی ان دونوں کے مابین عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے وہ اس طرح کہ ہر اقران مدبج تو ہے لیکن ہر مدبج اقران نہیں) اس نوع کی معرفت کے فوائد میں سے سند میں زیادتی کے گمان سے بے خوفی ہے۔ (**یعنی اعمش عن التیمی عن التیمی** کو اس وجہ سے زائد نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ تو اس کا ساتھی ہے نہ کہ استاد) یہ لفظ "عن" کا واؤ سے بدل جانے کا گمان کرنے سے محفوظ رہنا (یعنی کوئی عائشہ عن أبي ہریرہ کو عائشہ وابی ہریرہ نہ سمجھ لے)۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ محمد بن سائب کلبی کے نام اور کنیتیں اتنی ہیں کہ وہ ایک جماعت کی طرح لگتا ہے۔

۲۔ مجہول الحال راوی کی روایت کا حکم یہ ہے کہ اس پر توقف کیا جائے گا۔

۳۔ بدعتی شخص کی روایت کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔

۴۔ کچھ صحابہ اہل کتاب سے روایت لینے میں معروف تھے۔

۵۔ مقطوع کا تعلق سند سے ہوتا ہے جبکہ منقطع کا تعلق متن سے ہوتا ہے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ مبہم اور مجہول راوی میں کیا فرق ہے؟

۲۔ سوء الحفظ کسے کہا جاتا ہے؟ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

۳۔ مختلط راوی کی روایت کس صورت میں قبول کی جاسکتی ہے؟

۴۔ خبر کی مرفوع، موقوف اور مقطوع کی طرف تقسیم کس اعتبار سے ہے؟

۵۔ مرفوع حکمی کسے کہتے ہیں؟ مثال کے ساتھ وضاحت کیجیے۔

۶۔ اگر کوئی صحابی رضی اللہ عنہ ’’من السنۃ کذا‘‘ کہے تو اصطلاح میں اس کو کیا نام دیا جائے گا؟

۷۔ صحابی کی تعریف کیجیے۔ نیز یہ بتایے کہ ایک نابینا شخص صحابی ہو سکتا ہے؟

۸۔ کسی شخص کے صحابی ہونے کا علم کیونکر ہو سکتا ہے؟

۹۔ محدثین کس قسم کی سند کو پسند کرتے تھے، عالی یا نازل؟ اور وجہ بھی بتایے۔

۱۰۔ عالی نسبی اور عالی مطلق میں کیا فرق ہے؟

۱۱۔ علو نسبی کی اقسام بیان کیجیے۔

۱۲۔ موافقت کی مثال بیان کیجیے۔

۱۳۔ اب کسی حدیث میں مساوات کو امکان کیوں نہیں ہے؟ ۱۴

۔ مصافحہ کو وجہ تسمیہ بیان کیجیے۔

۱۵۔ روایت الاقران اور مدبج میں کیا فرق ہے؟ نیز ان سے حاصل ہونے والے فائدہ کا تذکرہ کیجیے۔

۱۶۔ اگر کوئی صحابی تابعی سے روایت بیان کرے تو اس روایت کو اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟

☆☆☆

اکابر کا اصاغر سے اور اصاغر کا اکابر سے روایت کرنا

مفرداتِ باب

الاکابر: ....باب نصر وَکَرُمَ سے اسم تفضیل، اَکبرُ کی جمع ہے اکابر، ہفت اقسام سے صحیح۔

الاصاغر: ....باب شَرُفَ سے اسم تفضیل اَصغَر کی جمع ہے اصاغر، ہفت اقسام سے صحیح۔

عبادلة: .... یہ ایسے صحابیوں کو کہا جاتا ہے جن کا نام عبد اللہ ہے یعنی عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم)۔

☆☆....☆☆

روایة الاکابر عن الاصاغر:

کسی راوی کا اپنے سے عمر، علم یا حفظ میں کم آدمی سے روایت کرنا۔ جیسا کہ محمد بن شہاب الزہری کا امام مالک سے روایت کرنا اور امام مالک کا عبد اللہ بن دینار سے روایت لینا۔ صحابہ کا تابعین سے روایت کرنا بھی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ عبادلہ وغیرہ کا جناب کعب الاحبار سے روایت لینا۔ اسی طرح آباء کا ابناء سے روایت کرنا بھی اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی معرفت کے فوائد میں سے سند میں قلب کا گمان ہونے سے بے خوفی ہے کیونکہ عموماً چھوٹے بڑوں سے روایت لیتے ہیں۔

روایة الاصاغر عن الاکابر:

راوی کا اپنے سے عمر، علم یا حفظ میں بلند تر آدمی سے روایت لینا۔ دنیا میں رائج طریقہ یہی ہے۔ ابناء کا اُباء سے اور اُباء کا اجداد سے روایت لینا اسی نوع سے متعلق ہے۔

السابق واللاحق

مفرداتِ باب

التَّبَاعُد: ....باب تفاعل سے مصدر، بمعنی دوری ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تُوُفِّيَ: ....واحد مذکر غائب فعل ماضی مجہول باب **توفّٰی یتوفّٰی** بروزن **تفعل**، بمعنی وفات پانا، کسی چیز کو پورا پورا لینا۔ ہفت اقسام سے لفیف مفروق ہے۔

☆☆....☆☆

سابق ولاحق:

ایک استاد سے روایت لینے میں ایسے دوراویوں کا مشترک ہونا جو موت کے لحاظ سے مقدم اور مؤخر ہیں اور دونوں کی وفات میں بہت دوری ہے۔ اس کی مثالوں میں سے امام بخاری و مسلم کے شیخ ابو العباس السراج ہیں، ان میں امام بخاری اور ابو الحسن خفاف نے روایت لی ہے جبکہ ان دونوں کی وفات میں ایک سو چالیس سال کا فاصلہ ہے کیونکہ امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی اور جناب خفاف کی ۳۹۳ھ یا ۳۹۴ھ یا ۳۹۵ھ میں ہوئی۔ اسی میں سے امام مالک بھی ہیں انہوں نے امام زہری سے روایت لی ہے اور ان کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی اور احمد بن اسماعیل السہمی نے بھی زہری سے روایت لی اور ان کی وفات ۲۵۹ھ میں ہوئی ان دونوں کی وفات میں ایک سو پینتیس سال کا فاصلہ ہے۔ اس نوع کی معرفت کے فوائد میں سے بعد والے راوی کی سند میں انقطاع کے گمان سے بے خوفی ہے۔

☆☆☆

المهمل

مفرداتِ باب

المُهْمَل: ....واحد مذکر اسم مفعول باب افعال، بمعنی جان بوجھ کر یا بھولے سے کسی کو چھوڑنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

لم يُمَيَّزَا: .... تثنیہ مذکر غائب فعل جحد مجہول باب **تَمَيَّزَ** بروزن **تفعل**، بمعنی جدا کرنا۔ ہفت اقسام سے اجوف یائی ہے۔

لم تَضُرّ: ....واحد مؤنث غائب فعل جحد معلوم باب **ضَرَّ** بروزن **نصر**، بمعنی نقصان دینا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

مھمل:

یہ ہے کہ راوی دو مشائخ سے روایت کرے جو نام میں یا والد کے نام میں یا اس کے علاوہ کسی اور چیز میں متفق ہوں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو خاص کرنے والی چیز سے تمیز نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ اگر دونوں شیوخ ثقہ ہیں تو ان دونوں کی جہالت مضر نہیں۔ اس کی مثالوں میں سے عن احمد عن ابن وہب کی روایت سے امام بخاری کے لیے واقع ہونے والی سند ہے۔ یہ یا تو احمد بن صالح ہے یا احمد بن عیسی اور یہ دونوں ہی ثقہ ہیں۔

اگر ایک ثقہ اور دوسرا ضعیف ہو تو پھر جہالت نقصان دہ ہے جیسا کہ سلیمان بن داؤد خولانی ثقہ ہے اور سلیمان بن داؤد یمامی ضعیف ہے۔ مھمل اور مبہم میں یہ فرق ہے کہ مھمل راوی کا نام اشتباہ کے ساتھ مذکورہ ہوتا ہے جبکہ مبہم کا تو نام ہی ذکر نہیں ہوتا۔

مَنْ حدَّثَ وَنَسِي

(جس نے بیان کیا اور بھول گیا)

مفرداتِ باب

مَحْمُوْلًا: ..... واحد مذکر اسم مفعول باب حمل بروزن ضرب بمعنی اٹھانا، ہفت اقسام سے صحیح۔

المُتَرَدِّدُ: ..... واحد مذکر اسم فاعل باب تَرَدَّ بروزن تفعل، بمعنی مشکوک ہونا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

مَنْ حَدَّثَ وَنَسِيَ:

شیخ انکار کر دے اس حدیث سے جو اس نے اپنے سے روایت کرنے والے شاگرد کو بیان کی تھی۔ اگر شیخ قطعی اور یقینی طور پر انکاری ہو تو ایسی روایت کا حکم مردود کا ہوتا ہے۔ گویا کہ کہے: میں نے یہ بیان ہی نہیں کی یا یہ مجھ پر جھوٹ بول رہا ہے یا اس جیسی کوئی بات کہہ دے۔

شیخ کا روایت سے انکار کرنا دونوں میں سے کسی ایک کی عدالت میں عیب اور جرح کا باعث نہیں ہو گا کیونکہ ان میں سے ایک دوسرے سے طعن کا زیادہ حقدار نہیں اور اگر تردد اور شک کے طور پر انکار کرے گویا کہے مجھے یاد نہیں میں اسے نہیں پہچان رہا وغیرہ تو روایت کو شیخ کے نسیان اور تلمیذ کے یادداشت پر محمول کرتے ہوئے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ قطعی طور پر ثابت کرنے والا مقدم ہوتا ہے، متردد نفی کرنے والے پر۔ امام دار قطنی کی اس نوع میں ایک تصنیف ہے جس کا نام انہوں نے "مَنْ حَدَّثَ وَنَسِي" رکھا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام ابو داؤد اور ترمذی نے سہیل بن ابی صالح کی حدیث سے عن ابیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ گواہ اور قسم کے قصہ میں مرفوعاً بیان کیا (قصہ اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ فرمایا تھا)۔ عبد العزیز بن محمد دراوردی نے کہا: مجھے یہ حدیث ربیعہ بن ابی عبد الرحمن نے سہیل کے واسطے سے بیان کی چنانچہ میں نے سہیل سے ملاقات کی۔ اُس سے اِس حدیث کے حوالے سے دریافت کیا تو اس نے حدیث کو نہ پہچانا، میں نے عرض کی مجھے ربیعہ نے آپ کے واسطے سے اس طرح حدیث بیان کی لہٰذا اس کے بعد سہیل نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

''حدثنی عبدالعزیز عن ربیعة عنی انی حدثه عن ابی ہریرة رضی اللّٰہ عنه مرفوعاً'' مجھے عبد العزیز نے ربیعہ کے واسطے سے روایت بیان کی اس نے مجھ سے کہ میں نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث بیان کی ہے۔

☆☆☆

مسلسل

مفرداتِ باب

المسلسل: ....واحد مذکر اسم مفعول باب سَلْسَلَ بروزن دحرج (فعللة) بمعنی ایک کو دوسرے سے جوڑنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف رباعی ہے۔

جِدًّا: .... یہ مصدر ہے باب جَدَّ بروزن ضرب اور نصر بمعنی کوشش کرنا، تحقیق کرنا، اہتمام کرنا، جلدی کرنا، سخت ہونا۔ یہ لفظ مذکورہ صورت میں بڑائی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے آتا ہے اور اس کا منصوب ہونا مصدریت کی وجہ سے ہے یعنی ہو ضعیف جداً وغیرہ۔

اعِنِّی: ....واحد مذکر حاضر فعل امر حاضر معلوم باب اَعَنَّ بروزن افعال، بمعنی روکنا۔ آگے یاء متکلم کی اس کا مفعول ہے۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

مسلسل:

وہ حدیث ہے جس کے تمام یا بعض راوی رواۃ یا روایت کے کسی وصف پر اتفاق کر لیں۔ رواۃ کی صفات وہ ہیں جن کا ادا کے صیغوں سے یا اس کے زمانے اور جگہ سے تعلق ہو یہ بہت وسیع نوع ہے۔ اس کے فوائد میں سے حدیث کا اپنے راویوں کے اضافی ضبط پر مشتمل ہونا ہے۔

اس کی مثالوں میں سے وہ روایت ہے جسے حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابو الحسن علی بن مسلم الفقیہ نے درآں حالیکہ اپنی داڑھی پکڑی، انہوں نے کہا ہمیں عبد العزیز بن احمد نے حدیث سنائی اور اپنی داڑھی پکڑی وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی ابو عمرو عثمان بن ابی

بکر نے اور اپنی داڑھی پکڑی وہ کہتے ہیں ہمیں محمد بن اسحاق عبد یے اپنی داڑھی پکڑنے کی حالت میں حدیث سنائی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی احمد بن مہران نے اور اپنی داڑھی پکڑی وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب الکیسانی نے اور اپنی داڑھی پکڑی، وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی شہاب بن خراش نے اور اپنی داڑھی پکڑی وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی یزید الرقاشی نے اور اپنی داڑھی پکڑی وہ کہتے ہیں ہمیں حدیث سنائی انس بن مالک نے اور اپنی داڑھی پکڑی انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

((لَا يُؤْمِنُ الْعَبْدُ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ))

''کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہیں لاتا، وہ تقدیر اچھی ہو یا بری، میٹھی ہو یا کڑوی۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آگے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی داڑھی مبارک کو پکڑا اور فرمایا:

((اٰمَنْتُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ))

''میں اچھی، بری اور میٹھی و کڑوی تقدیر پر ایمان لایا۔''

اس کی مثالوں میں وہ حدیث بھی ہے جسے امام داؤد اور نسائی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنِّىْ اُحِبُّكَ فَقُلْ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''اے معاذ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں لہٰذا ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرو، یا اللہ اپنا ذکر، شکر اور اچھی عبادت کرنے پر مجھے روکے رکھ۔'' اس روایت کے ہر راوی نے اس کے لیے جس نے اس سے حدیث لی اس قول کے تسلسل کو قائم رکھا۔ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تم ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرو۔

☆☆☆☆

المتفق والمفترق، المؤتلف

والمختلف، المتشابه

مفرداتِ باب

المُتَّفِقُ: ....واحد مذکر اسم فاعل **باب اتفق بر وزن افتعال**، بمعنی اتفاق کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

المفتَرِق: ....واحد مذکر اسم فاعل **باب افترق بر وزن افتعال** بمعنی جدا ہونا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المؤتَلِف: ....واحد مذکر اسم فاعل **باب اِئْتَلَفَ بر وزن افتعال** بمعنی اکٹھا ہونا، ہفت اقسام سے مہموز الفاء ہے۔

المتشابه: ....واحد مذکر اسم فاعل **باب تَشَابَهَ بر ورزن تفاعل**، بمعنی ایک دوسرے کے مشابہ ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

راویوں کے نام، القاب اور نسبتوں میں سے متفق اور مفترق، موٴتلف اور مختلف نیز تشابہ علوم حدیث کی اہم ترین انواع ہیں۔ حدیث کے ساتھ مشغول رہنے والوں میں سے جو ان انواع کو نہیں جانتا وہ اپنے اوپر لغزش اور جرح کا سبب بننے والے طعن سے محفوظ نہیں۔

متفق اور مفترق:

متفق اور مفترق رواۃ کے نام یا ساتھ اُباء کے نام بھی یا اس سے زیادہ (دادا پر دادا) وغیرہ کے نام بھی تلفظ اور خط میں متفق ہوں لیکن ان کی شخصیات مختلف ہوں جیسا کہ عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبدللہ بن زید بن عاصم اور عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ ہیں۔ اس نوع کی معرفت کا فائدہ التباس سے محفوظ رہنا ہے کیونکہ بسا اوقات متعدد رواۃ کو ایک سمجھ لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض محدثین سے اس غلطی کا ارتکاب ہوا ہے اور کبھی تو بعض مشترک (ہم نام) راوی ضعیف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ثقہ کو ضعیف اور ضعیف کو ثقہ قرار دے دیا جاتا ہے۔

مؤتلف اور مختلف:

موٴتلف اور مختلف رواۃ کے نام یا القاب یا انساب صورت خطی میں متحد اور تلفظ کے لحاظ سے مختلف ہوں مثلاً مِسْوَر میم مکسور سین ساکن اور واؤ مخففہ مفتوحہ کے ساتھ (اس کا تلفظ ہے)، مُسَوِّر میم مضموم، سین مفتوح اور واؤ مشدد مکسور کے ساتھ تلفظ ہے۔ اسی طرح سَلَام لام مخفف اور سَلّام لام مشدد کے ساتھ ہے۔ اس نوع کی معرفت کا فائدہ تصحیف اور تحریف سے محفوظ رہنا ہے۔

المتشابہ:

یہ مذکورہ دونوں قسموں کو ملا کر ایک بنائی گئی ہے یعنی رواۃ کے نام تلفظ اور خطی لحاظ سے متفق ہوں لیکن ان کے اٰباء کے نام تلفظ میں مختلف اور خط میں متفق ہوں یا اس کے برعکس ہوں (یعنی اٰباء کے نام کا تلفظ اور خط دونوں متفق ہوں اور رواۃ کے نام تلفظ میں مختلف اور خط میں متفق ہوں)۔ جیسا کہ محمد بن عقیل عین مفتوحہ کے ساتھ اور محمد بن عقیل عین مضمومہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح شریح بن نعمان شین اور حاء مہملہ کے ساتھ ہے یہ مشہور تابعی ہیں (دوسرا راوی ہے) سریج بن نعمان سین مہملہ اور جیم کے ساتھ یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہے۔

★★★

تحملُ الحدیث واداءُ ہ

(حدیث کو لینا اور آگے پہنچانا)

مفرداتِ باب

تَحَمُّلٌ: ....**باب تفعل** سے مصدر، بمعنی اٹھانا، برداشت کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُحْتَجُّ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول **باب اِحْتَجَّ بروزن افتعال**، بمعنی دلیل پکڑنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

☆☆....☆☆

تحمل الحدیث:

راوی کا اساتذہ اور مشائخ سے حدیث لینا تحمل الحدیث کہلاتا ہے اور صحیح قول کے مطابق اس میں فہم کے معتبر ہونے اور تمیز کی صلاحیت کی شرط لگائی گئی ہے۔

الاداء:

جو حدیث لی ہے اسے آگے بیان کرنا ادا کہلاتا ہے اور جن رواۃ کی روایت سے حجت پکڑی جاتی ہے ان میں عدالت اور ضبط کی شرط لگائی گئی ہے۔

☆☆☆

طرقُ التحمل وصیغ الاداء

(حدیث لینے کے طریقے اور آگے بیان کرنے کے صیغے)

مفرداتِ باب

املاء: ....مصدر باب اَمْلٰی یُمْلِی بروزن افعال، بمعنی بول کر لکھوانا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

القراءۃ: ....اسم مصدر باب قَرَءَ بروزن منع، بمعنی پڑھنا۔ ہفت اقسام سے مہموز اللام ہے۔

مُسَاوٍ: ....واحد مذکر اسم فاعل باب سَاوٰی بروزن مفاعلہ، بمعنی برابر ہونا۔ ہفت اقسام سے لفیف مقرون ہے۔

☆☆....☆☆

(۱) السماع:

شیخ کے الفاظ سننا جو اپنے حفظ سے املاء کروارہا ہے یا اپنی کتاب سے بیان کر رہا ہے۔ یہ حدیث لینے کے طریقوں میں سے اعلیٰ ترین طریق ہے۔ اسے آگے ادا کرنے میں یہ صیغے استعمال ہوتے ہیں: ''سَمِعْتُ اَوْ سَمِعْنَا فُلَانًا'' (میں نے یا ہم نے فلاں سے سنا) اس کے بعد: ''حَدَّثَنِی اَوْ حَدَّثَنَا'' (مجھے یا ہمیں حدیث بیان کی) اس کے بعد: ''اَخْبَرَنِیْ اَوْ اَخْبَرَنَا'' (مجھے یا ہمیں خبر دی) اس کے بعد: ''اَنْبَأَنِیْ وَنَبَّأَنِیْ اَوْ اَنْبَأَنَا وَنَبَّأَنَا'' ہے (مجھے یا ہمیں خبر دی)۔

(۲) القراءۃ:

استاد پر پڑھنا بعض محدثین نے اس کا نام عرض (پیش کرنا) رکھا ہے کیونکہ پڑھنے والا جو پڑھ رہا ہے اسے اپنے شیخ پر پیش کر رہا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ طالب علم بذاتِ خود شیخ پر اپنے حافظے یا کتاب سے پڑھے یا کوئی دوسرا پڑھے اور یہ سماع کر رہا ہو۔ نیز برابر ہے کہ جو شیخ پر پڑھا جارہا ہے وہ اس کا حافظ ہو یا اس نے اپنی اصل کتاب اپنے پاس روکی ہو (یعنی سامنے رکھی ہو) یا شیخ کے علاوہ کسی دوسرے ثقہ آدمی نے اسے پکڑا ہو۔ ایسی لی گئی حدیث کو آگے ادا کرتے وقت کہا جائے گا ''قَرَأْتُ، اَوْ قُرِئَ عَلٰی فُلَانٍ وَاَنَا اَسْمَعُ'' (میں نے فلاں پر پڑھا یا فلاں پر پڑھا جارہا تھا اور میں سن رہا تھا۔) ایسے راوی کے لیے مذکورہ سماع کے صیغوں کے ساتھ تعبیر کرنا جائز ہے بشرطیکہ قراءت کی قید لگادے مطلق نہ ہو جیسے: ''حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ قِرَاءَۃً عَلَیْہِ'' (مجھے فلاں نے حدیث بیان کی اس حال میں کہ اس پر پڑھا جارہا تھا۔) کیا عرض شیخ کے الفاظ سننے کے برابر ہے یا اس سے رتبہ میں کم

یا زیادہ ہے؟ اس کے متعلق کئی اقوال ہیں جن میں سے راجح ترین یہ ہے کہ سماع زیادہ بلند ہے (اس کی دلیل یہ ہے کہ) اس میں بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنا ہے کیونکہ آپ لوگوں پر قرآن پڑھا کرتے اور انہیں سنتیں سیکھایا کرتے تھے۔

☆☆☆

(۳) الاجازۃ

مفرداتِ باب

الاجازۃ: ....**مصدر باب اَجَازَ بروزن افعال**، بمعنی اجازت دینا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

مُعَیَّنٌ: ....**واحد مذکر اسم مفعول باب عَیَّنَ بروزن تفعیل**، بمعنی معین کرنا۔ ہفت اقسام سے اجوف یائی ہے۔

☆☆....☆☆

اجازہ:

روایت کرنے میں کسی کو لفظی طور پر یا لکھ کر اجازت دینا اس کی کئی اقسام ہیں:

الف:

معین راوی کو معین احادیث کی اجازت دے یہ سب سے بلند اور اعلیٰ قسم ہے مثلاً کہے میں نے تجھے اجازت دی کہ مجھ سے صحیح مسلم روایت کرے۔

ب:

معین شخص کو غیر معین روایات کی اجازت دینا مثلاً کہے میں نے تجھے اپنی تمام مسموعہ احادیث کی روایت کرنے کی اجازت دی۔

ج:

غیر معین افراد کو معین احادیث کی اجازت دینا جیسا کہ کہے: جس نے مجھ سے ملاقات کرلی اسے میں نے صحیح بخاری روایت کرنے کی اجازت دی۔

د:

غیر معین افراد کو غیر معین روایات کی اجازت دینا مثلاً کہے: اسے میں نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو اپنی تمام مسموعہ احادیث کو بیان کرنے کی اجازت دی۔

ھ:

معدوم افراد کو جو موجود افراد کے تابع ہوں کو اجازت دینا مثلاً کہے: میں نے فلاں شخص کو اور اس کے ہاں آج کے بعد پیدا ہونے والی اولاد کو بھی یہ یہ احادیث بیان کرنے کی اجازت دی۔

☆☆☆☆

(۴) المناولۃ

مفرداتِ باب

اَلْمُنَاوَلَۃُ: ....**باب مفاعلہ** سے مصدر، بمعنی پکڑنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

ہِبَۃً: ....**مصدر ہے باب وَہَبَ یَھَبُ ہِبَۃً بروزن ضرب**، بمعنی تحفہ دینا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

المقرونۃ: ....**واحد مؤنث اسم مفعول باب قَرَنَ بروزن ضرب**، بمعنی ملانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المُجَرَّدَۃُ: ....**واحد مؤنث اسم مفعول باب جَرَّدَ بروزن تفعیل**، بمعنی خالی کرنا اور چھیلنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

اس کی دو اقسام ہیں:

۱۔ مناولہ مع اجازت:

مطلق طور پر یہ اجازت کی سب سے اعلیٰ قسم ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی اصل یا اس سے تقابل کیا گیا نسخہ تلمیذ کو پکڑائے اور اسے کہے یہ میری فلاں سے روایت ہے لہٰذا تم اسے مجھ سے روایت کرو۔ اس کی شرط یہ ہے کہ شیخ کی اصل تلمیذ کے پاس عاریۃً ہبہ کی صورت میں یا ملکیت کی شکل میں باقی رہنا چاہیے تا کہ آگے اسے بیان کر سکے۔

۲۔ مناولہ بغیر اجازت:

کہ شیخ تلمیذ کو اپنی اصل یا جو اس کے قائم مقام ہے اسی قول پر اقتصار کرتے ہوئے پکڑائے کہ یہ میری مسموعات ہیں یا فلاں سے میری روایت ہے۔ جمہور کے ہاں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا۔

اجازت یا مناولہ میں ادا کی صورت:

اجازت یا مناولہ میں ادا کی صورت یہ ہے: ''حَدَّثَنِيْ فُلَانٌ اِجَازَةً اَوْ مُنَاوَلَةً'' (مجھے فلاں نے اجازۃً یا مناولۃً حدیث بیان کی)۔ اسی طرح ''اَخْبَرَنِيْ اِجَازَةً اَوْ مُنَاوَلَةً'' وغیرہ ہے۔(مجھے فلاں نے اجازۃً یا مناولۃً خبر دی)۔

(۵) المکاتبۃ

یہ ہے کہ شیخ اپنی مسموعہ روایات موجود یا غیر موجود شخص کے لیے اپنے خط سے لکھ دے یا اپنے حکم سے لکھوا دے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

ا۔ مکاتبت مع اجازت:

یہ صحت و قوت میں مناولۃ مع الاجازت کے ہم پلہ ہے۔

۲۔ مکاتبت بغیر اجازت:

اس کا حکم اجازت سے خالی مناولہ والا ہے۔ اس کی ادائیگی کی صورت: ''حَدَّثَنِيْ فُلَانٌ مُكَاتَبَةً'' مجھے فلاں نے مکاتبت کی حالت میں حدیث بیان کی۔ ''كَتَبَ اِلَيَّ فُلَانٌ'' میری طرف فلاں نے لکھا ہے۔

(۶) اَلْاِعْلَام

(لغوی معنی خبر دینا اور بتانا ہے، اصطلاحی لحاظ سے) یہ ہے کہ شیخ صرف یہی کہے کہ یہ کتاب میری فلاں سے سماعت کردہ ہے۔

☆☆☆

(۷) الوصیۃ

مفرداتِ باب

الوصیة: ..... باب تفعیل سے اسم مصدر، بمعنی وصیت کرنا۔ ہفت اقسام سے لفیف مقرون ہے۔

الوجادة: ..... وَجَدَ بروزن ضرب یضرت سے اسم مشتق، ہفت اقسام سے مثال واوی۔

قبیل: ..... یہ واحد ہے، اس کی جمع **قُبُل** اور **قُبَلَاءُ** آتی ہے بمعنی ضامن، کفیل، شوہر، جماعت۔ یہاں آخری معنی مراد ہے۔

☆☆....☆☆

(۷) وصیۃ:

شیخ اپنی موت یا سفر کے وقت کتاب کی کسی دوسرے شخص کو وصیت کر جائے۔ اور ایسی روایات کو آگے پہنچانے کے لیے کہا جائے گا: "اَوْصٰی اِلَیَّ فُلَانٌ" مجھے فلاں نے وصیت کی تھی وغیرہ۔

(۸) الوجادۃ:

راوی کی حدیث یا کتاب کو اپنے شیخ کے خط سے جسے وہ پہچانتا ہے پالے۔ ایسی صورت میں ادائیگی کے وقت کہا جائے گا: "وَجَدْتُّ اَوْقَرَأْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ" (میں نے فلاں کے خط سے لکھی ہوئی پائی یا پڑھی) وغیرہ۔ وجادہ کے ساتھ مروی حدیث منقطع کی قبیل اور قسم سے ہے۔

صحیح قول کے مطابق اعلام، وصیت اور وجادت میں سے ہر ایک کے ساتھ روایت کرنے کی صحت کے لیے ان کا مع اجازت ہونا شرط قرار دیا گیا ہے۔

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ مہمل اور مبہم میں یہ فرق ہے کہ مہمل میں راوی کے نام میں محض شک ہوتا ہے جبکہ مبہم میں سرے سے اس کا نام ہی ذکر نہیں کیا جاتا۔

۲۔ جو قطعی طور پر کسی چیز کو ثابت کرتا ہے وہ شک کے ساتھ بات کرنے والے پر مقدم ہوتا ہے۔

۳۔ امام شافعی کی کتاب ''من حدّث ونسی'' ہے۔

۴۔ سماع حدیث لینے کے اعلیٰ طریقوں میں سے ہے۔

۵۔ جب ایک راوی میں جرح مفسر اور ثقاہت کا تعارض آجائے تو جرح مقدم نہیں ہو گی۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ السابق واللاحق سے کیا مراد ہے؟ اور اس علم سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

۲۔ مہمل کی تعریف کرتے ہوئے اس کی مثال ذکر کیجیے۔

۳۔ ''من حدّث ونسی'' کا کیا حکم ہے؟

۴۔ اگر کوئی شخص بالجزم بیان کر دے کہ میں نے یہ روایت بیان نہیں کی تو کیا بیان کرنے والے شاگرد پر جرح کی جائے گی کہ اس کا حافظہ درست نہیں ہے؟

۵۔ ''من حدّث ونسی'' کی مثال کا ذکر کیجیے۔

۶۔ المسلسل کی اصول حدیث میں کیا اہمیت ہے؟

۷۔ متفق اور مفترق کی تعریف کیجیے اور اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کا تذکرہ کیجیے۔

۸۔ مؤتلف اور مختلف کی تعریف کیجیے اور اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کا تذکرہ کیجیے۔

۹۔ المتشابہ کی تعریف کیجیے۔

۱۰۔ تحمل الحدیث کی تعریف کی روشنی میں یہ بتایئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صغر سنی میں بیان کی جانے والی روایات کا کیا حکم ہے؟

۱۱۔ حدیث لینے کے طریقے کون سے ہیں؟ ۱۲۔ سماع کے صیغے تحریر کیجیے۔

۱۳۔ کیا عرض سماع کے برابر ہے یا اس سے رتبے میں کم ہے؟

۱۴۔ الاجازۃ کی وضاحت کیجیے۔ ۱۵۔ بغیر اجازت کے مناولہ کا کیا حکم ہے؟

۱۶۔ مناولہ کے لیے استعمال ہونے والے صیغوں کی وضاحت کیجیے۔

۱۷۔ اعلام کا کیا حکم ہے؟

☆☆☆

الجرح والتعدیل

مفرداتِ باب

المعدّل: ....**واحد مذکر اسم فاعل باب عَدَّل بروزن تفعیل**، بمعنی تعدیل اور ثقاہت کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تَجَنُّب: .... باب تفعّل سے مصدر، بمعنی بچنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

☆☆....☆☆

جرح اور عدالت کا حکم لگانے والے کے لیے علم، تقویٰ، ورع، سچائی، تعصب سے پرہیز اور تزکیہ و تجریح کے اسباب کی معرفت حاصل کرنا شرط قرار دیا گیا ہے۔ جرح اور ثقاہت قبول نہیں کی جائیں گی مگر بیدار مغز اور ان کے اسباب کو جاننے والے سے۔ جب ایک راوی میں جرح مفسر اور ثقاہت کا تعارض آجائے تو ثقاہت پر جرح مقدم ہو گی۔ حافظ ابن حجر نے کہا: محدثین کا یہ کہنا کہ جرح مفسر ہی قبول کی جائے گی وہ اس راوی کے متعلق ہے جس کی توثیق و تجریح میں اختلاف واقع ہوا ہو۔ رہا وہ راوی کہ جو مجہول ہے اور اس کے بارے میں ائمہ حدیث میں کسی امام کا صرف یہی قول ملا ہے کہ یہ متروک یا ضعیف وغیرہ ہے تو بات اسی کی تسلیم ہو گی اس کی تفسیر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

☆☆☆

مراتب التزکیة والتجریح

(توثیق و تجریح کے مراتب)

مفرداتِ باب

التزکیة: ....**مصدر باب زَکّٰی بروزن تفعیل** بمعنی پاک کرنا، ہفت اقسام سے ناقص یائی۔

التجریح: ....باب تفعیل سے مصدر بمعنی زخمی کرنا اور عیب لگانا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

مأمونٌ: ....واحد مذکر اسم مفعول باب اَمِن بر وزن علم، بمعنی محفوظ رہنا، مطمئن ہونا۔ ہفت اقسام سے مہموز الفاء ہے۔

☆☆....☆☆

علامہ سخاوی نے "شرح الالفیہ" میں اور شیخ اکرم سندھی نے "امعان النظر بشرح شرح نخبۃ الفکر" میں جرح اور ثقاہت کے تمام الفاظ کے چھ مراتب بنائے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

ثقاہت کے مراتب اوّل:

یہ سب سے اونچا رتبہ ہے یعنی ایسا وصف بیان کرنا جو مبالغہ پر دلالت کرے یا اسے اسم تفضیل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہو۔ مثلاً "**فُلَانٌ اَوْثَقُ النَّاسِ**" فلاں راوی سب سے زیادہ ثقہ ہے یا "**اَثْبَتُ النَّاسِ**" سب سے زیادہ حدیث یاد کرنے والا ہے۔ یا "**اِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي الضَّبْطِ**" فلاں کی طرف ضبط میں انتہاء ہے یا "**لَا اَعْرِفُ لَهُ نَظِيْرًا**" مجھے اس راوی کا ہم مثل معلوم نہیں وغیرہ وغیرہ۔

الثانی:

مثلاً: "**فُلَانٌ لَا يُسْأَلُ عَنْهُ**" فلاں راوی کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا یعنی اس کی ثقاہت کے کیا ہی کہنے۔

ثالث:

توثیق پر دلالت کرنے والی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ تاکید لائی جائے مثلاً "**ثِقَةٌ ثِقَةٌ**" یا "**ثَبَتٌ حُجَّةٌ**" یا "**ثِقَةٌ ضَابِطٌ**" وغیرہ۔ سب سے زیادہ تاکید جو اس میں پائی گئی وہ ابن عیینہ کا یہ قول ہے، ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ثقہ ثقہ....ہے۔ یہ انہوں نے نو مرتبہ کہا۔

رابع:

بغیر تاکید کے توثیق پر دلالت کرنے والے لفظ سے اس کو تعبیر کیا گیا ہو مثلاً "ثِقَةٌ" یا "ثَبْتٌ" یا "حُجَّةٌ" وغیرہ۔ یاد رکھیں ثبت سے زیادہ قوی الحجہ ہے۔

خامس:

مثلاً کہنا: ''فُلَانٌ صَدُوْقٌ'' یا ''مَأْمُوْنٌ''۔ امام ابن معین کے علاوہ دیگر محدثین کے نزدیک ''لَیْسَ بِهِ بَأْسٌ'' یا ''لَا بَأْسَ بِهِ'' بھی اسی درجہ پر ہے۔ جناب بدر بن جماعہ نے اپنی کتاب ''مختصر'' میں کہا ہے کہ امام ابن معین کا کہنا ہے جب میں کسی راوی کے متعلق ''لَا بَأسَ بِہِ'' یا ''لَیْسَ بِہِ بَأسٌ'' کہوں تو وہ ثقہ ہوتا ہے (یعنی درجہ رابعہ کا راوی ہوتا ہے)۔ یہ ابن معین کا اپنی طرف سے خاص اصطلاح کی وضاحت کرنا ہے۔ اسی طرح کی بات مقدمہ ابن صلاح میں بھی ہے۔ **سادس:** جو تجریح کے مراتب کے قریب ہونے کا احساس دلائے اور یہ سب سے ادنی مرتبہ ہے، مثلاً کہنا: ''فُلَانٌ لَیْسَ بِبَعِیْدٍ عَنِ الصَّوَابِ'' (فلاں درستگی سے دور نہیں۔) یا ''شَیْخٌ'' یا ''یُعْتَبَرُ بِهِ'' (اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔) یا ''شَیْخٌ وَسْطٌ'' (متوسط شیخ ہے۔) یا ''رَوَی عَنْهُ النَّاسُ'' (لوگوں نے اس سے روایت کی ہے۔) یا ''صَالِحُ الحَدِیْثِ'' (حدیث روایت کرنے کے قابل ہے۔) ''یُکْتَبُ حَدِیْثُهُ'' (اس کی حدیث لکھے جانے کے قابل ہے۔) ''مَقَارِبُ الحَدِیْثِ'' (اس کی روایات دوسرے ثقہ راویوں کے قریب قریب ہیں۔) یا ''صُوَیْلِحٌ'' (صالح کی تصغیر ہے) یعنی یہ متوسط صالح ہے۔ یا ''صَدُوْقٌ اِن شَاءَ اللّٰہ'' (ان شاء اللہ سچا ہے۔) یا ''اَرْجُوْ اَنْ لاَّ بَأْسَ بِهِ'' (مجھے امید ہے کہ اس راوی میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں) وغیرہ وغیرہ۔ امام سخاوی نے کہا ان مراتب والوں میں حکم یہ ہے کہ ان میں پہلے چاروں قابل حجت ہیں جبکہ ان سے نیچے والا پانچویں رتبہ کے اہل لوگوں میں سے کوئی بھی قابل حجت نہیں البتہ اس کی حدیث لکھی جائے گی اور پرکھا جائے گا آیا صحیح ہے یا ضعیف۔ لیکن چھٹے رتبہ کے اہل لوگوں کا حکم پانچویں والوں سے کم۔ بعض محدثین اعتبار (تعریف گزر چکی ہے) کے لیے اس کی حدیث لکھ لیتے ہیں اور ان کے ضبط کا معاملہ واضح ہونے کی وجہ سے اسے جانچتے نہیں۔

☆☆☆

مراتب الجرح

(جرح کے مراتب)

مفرداتِ باب

دَجَّال: ....واحد مذکر اسم مبالغہ باب دَجَلَ بر وزن نصر بمعنی جھوٹ بولنا، ہفت اقسام سے صحیح۔

کَذَّاب: ....واحد مذکر اسم مبالغہ باب کذب بر وزن ضرب، بمعنی جھوٹ بولنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

وَضَّاعٌ: ....واحد مذکر اسم مبالغہ باب وَضَعَ یَضَعُ بر وزن منع، بمعنی بات گھڑنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

مُتَّهَمٌ: ....واحد مذکر اسم مفعول باب اِتَّهَمَ بر ورزن افتعال، بمعنی تہمت لگانا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

وَاہٍ: ....واحد مذکر اسم فاعل باب وَہٰی یہِی بر وزن ضرب بمعنی کمزور ہونا، ہفت اقسام سے لفیف مفروق۔

لَا تَحِلُّ: ....واحد مونث غائب فعل نفی معلوم باب حَلَّ یَحِلُّ بر وزن ضرب، بمعنی حلال ہونا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

مناکیر: ....یہ مُنکَر کی جمع ہے جو کہ باب افعال کے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی عیب لگانا۔

☆☆....☆☆

اوّل:

یہ سب سے بدترین ہے، وہ وصف ہے جو مبالغہ پر دلالت کرے مثلاً: ''فُلَانٌ اَکْذَبُ النَّاسِ'' فلاں فلاں سے زیادہ جھوٹا ہے۔ یا ''اِلَیْہِ الْمُنْتَھٰی فِی الْکَذِبِ'' فلاں راوی پر جھوٹ کی انتہاء ہے۔ یا ''ھُوَ رُکْنُ الْکَذِبِ'' وہ تو جھوٹ کا رکن ہے۔ یا ''مَعْدِنَۃٌ'' یعنی وہ تو جھوٹ کی کان ہے وغیرہ۔

ثانی:

جو پہلے سے کم مرتبہ ہے گو کہ مبالغہ پر مشتمل ہو۔ جیسے کہ ''فُلَانٌ دَجَّالٌ'' یا ''کَذَّابٌ'' یا ''وَضَّاعٌ'' (احادیث گھڑنے والا) ہے۔ اسی طرح ''یَضَعُ الْحَدِیْثَ'' وہ حدیث گھڑتا ہے۔ یا ''یَکْذِبُ'' وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔

ثالث:

''فُلَانٌ مُتَّھَمٌ بِالْکَذِبِ، اَوْ بِالْوَضْعِ'' فلاں متہم بالکذب ہے یا متہم بالوضع ہے۔ یا ''یَسْرِقُ الْحَدِیْثَ'' احادیث چوری کیا کرتا تھا۔ یا ''سَاقِطٌ'' فلاں گرا ہوا ہے۔ یا ''مَتْرُوْکٌ'' محدثین نے اسے چھوڑا ہوا ہے۔ یا ''ہَالِکٌ'' وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ یا ''ذَاہِبُ الْحَدِیْثِ'' فلاں راوی روایات کو خلط ملط کرنے والا ہے۔ یا ''تَرَکُوْہُ'' محدثین نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ یا ''لَا یُعْتَبَرُ بِہٖ'' فلاں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یا ''لَیْسَ بِثِقَۃٍ'' وہ ثقہ نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

رابع:

مثلاً کہنا: ''فُلَانٌ رُدَّ حَدِیْثُہٗ'' فلاں کی روایت کو رد کر دیا گیا ہے۔ یا ''مَرْدُوْدُ الْحَدِیْثِ'' فلاں راوی کی روایات مردود ہیں۔ یا ''ضَعِیْفٌ جِدًّا'' وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ یا ''وَاہٍ بِمَرَّۃٍ'' فلاں راوی حتمی طور پر ضعیف ہے۔ یا ''طَرَحُوْہُ'' محدثین نے اسے پھینک دیا ہے۔ یا ''لَا یُکْتَبُ حَدِیْثُہٗ'' فلاں راوی کی احادیث نہیں لکھی جاتیں۔ (مطلب ہے کہ وہ اس قابل ہی نہیں۔) یا ''لَا تَحِلُّ الرِّوَایَۃُ عَنْہُ'' فلاں سے روایت کرنا حلال نہیں۔

امام ابن معین کے علاوہ دیگر محدثین کے نزدیک ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' کہنا بھی اسی درجہ میں ہے۔ معنی فلاں راوی کی کوئی حیثیت نہیں۔ امام سخاوی نے شرح الالفیہ میں لکھا کہ جب ابن القطان نے کہا: ابن معین جب کسی راوی کے متعلق ''لَيْسَ بِشَيْءٍ'' کہے تو ان کی مراد یہ ہے کہ اس راوی کی احادیث قلیل ہیں یعنی قلیل الروایہ ہے۔ اسی طرح کی بات مقدمہ فتح الباری میں بھی ہے۔ **خامس:** مثلاً کہنا: ''فُلَانٌ لَا يُحْتَجُّ بِهِ'' فلاں راوی سے دلیل نہیں پکڑی جاتی۔ یا ''ضَعَّفُوْهُ'' اسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یا ''مُضْطَرِبُ الْحَدِيْثِ'' وہ مضطرب الحدیث ہے۔ یا ''ضَعِيْفٌ'' وہ ضعیف ہے۔ یا ''لَهُ مَا يُنْكَرُ'' اس کے پاس ایسی روایات ہیں جن کا انکار کیا گیا ہے۔ یا ''لَهُ مَنَاكِيْرُ'' اس کے لیے منکر روایات ہیں۔ یا ''مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ'' فلاں منکر الحدیث ہے۔ یہ آخری اصطلاح امام بخاری کے علاوہ دیگر محدثین کے نزدیک ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ابان بن جبلہ کوفی اور سلیمان بن داؤد یمامی کے تراجم کے تحت کہا کہ بلاشبہ امام بخاری نے فرمایا: ہر وہ راوی جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں تو اس سے روایت لینا حلال نہیں۔

سادس: یہ سب سے کمزور ترین اور نرم ہے۔ مثلاً کہنا: ''فُلَانٌ فِيْهِ مَقَالٌ'' فلاں راوی میں کلام ہے۔ یا ''اَدْنٰى مَقَالٍ'' فلاں میں معمولی نقد ہے۔ یا ''يُنْكَرُ مَرَّةً وَيُعْرَفُ أُخْرٰى'' اس کی روایات کو کبھی منکر اور کبھی معروف کہا جاتا ہے۔ یا ''لَيْسَ بِالْقَوِيِّ'' وہ قوی نہیں۔ یا ''لَيْسَ بِالْمَتِيْنِ'' وہ مضبوط راوی نہیں۔ یا ''لَيْسَ بِحُجَّةٍ'' فلاں قابل حجت نہیں۔ یا ''لَيْسَ بِعُمْدَةٍ'' وہ معتبر نہیں۔ یا ''لَيْسَ بِالْحَافِظِ'' فلاں حافظ نہیں۔ یا ''فِيْهِ شَيْءٌ'' اس میں کچھ نقص ہے۔ یا ''فِيْهِ جَهَالَةٌ'' اس میں جہالت ہے۔ یا ''سَيِّئُ الْحِفْظِ'' فلاں برے حافظے والا ہے۔ یا ''لَيِّنُ الْحَدِيْثِ'' اس کی روایات میں کمزوری ہے۔ یا ''فِيْهِ لَيِّنٌ'' اس راوی میں کمزوری ہے۔ اس مرتبہ پر محدثین کا کہنا ہے: ''فُلَانٌ تَكَلَّمُوْا فِيْهِ'' فلاں میں محدثین نے کلام کی ہے۔ امام بخاری کے علاوہ دیگر محدثین کے نزدیک ''فُلَانٌ فِيْهِ نَظَرٌ'' فلاں میں نظر ہے۔ یا ''فُلَانٌ سَكَتُوْا عَنْهُ'' کہنا بھی اسی درجہ میں ہے (کہ فلاں سے محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے)۔ حافظ عراقی نے شرح الالفیہ میں کہا: ''فُلَانٌ فِيْهِ نَظَرٌ'' یا ''فُلَانٌ سَكَتُوْا عَنْهُ'' یہ دونوں عبارتیں امام بخاری ان رواۃ کے متعلق کہتے ہیں جن کی روایات کو محدثین نے ترک کر دیا ہے۔ علامہ سخاوی نے شرح الالفیہ میں کہا: ان مراتب والوں میں حکم یہ ہے کہ پہلے چاروں میں سے کسی کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی اور نہ ہی اس کے ساتھ استشہاد لیا جاتا ہے اور نہ ہی اعتبار کے لیے اسے پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ رواۃ جن کا پانچویں اور چھٹے مرتبہ میں تذکرہ ہوا ان کی روایت کا اعتبار کیا جاتا ہے یعنی اعتبار کے لیے لی جائے گی۔

☆☆☆

مَعْرِفَةُ الاَسْمَاءِ وَالْكُنٰى وَالاَنْسَابِ وَالْاَلْقَابِ وَالْمَوَالِي

(نام، کنیتوں، انساب، القاب اور موالی کی پہچان)

مفرداتِ باب

عاہة: .... یہ اسم مشتق ہے، باب عَاہَ بر وزن نصر سے بمعنی مویشیوں یا کھیتی پر آنے والی آفت، ہفت اقسام سے اجوف واوی۔

صِنَاعة: .... صنع بر وزن منع سے اسم مشتق بمعنی ہنر، کاری گری، اس کی جمع صِناعات آتی ہے، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

حِرفة: .... حَرَفَ بر وزن ضَرب سے اسم مشتق بمعنی پیشہ، ہنر، اس کی جمع حِرَفٌ، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

يُجَالِسُ: .... واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب جَالَسَ بر وزن مفاعلہ، بمعنی کسی کے ساتھ بیٹھنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

الحذَّائِيْنَ: .... یہ جمع الحذاء کی جس کا معنی جو تا بنانے والا یعنی موچی۔

الضالّ: .... واحد مذکر اسم فاعل باب ضَلَّ بر وزن سمع اور ضرب، دونوں سے آسکتا ہے، بمعنی بھول جانا دین حق سے ہٹ جانا، اس جگہ پہلا معنی مراد ہے۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

يُتَّصَلُ: .... واحد مذکر غائب فعل مضاع مجھول باب اِتَّصَلَ بر وزن افتعال، بمعنی ملنا، جڑنا، یہاں باء کی وجہ سے متعدی کا معنی پیدا ہوا ہے یعنی ملانا اور جوڑنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔ الكُنٰى: .... اس کی واحد کُنْيَةٌ ہے جو کہ کَنٰی یکنی بر وزن ضرب سے مصدر ہے بمعنی کنیت رکھنا، ہفت اقسام سے ناقص یائی۔

اُخْتُلِفَ: .... واحد مذکر غائب فعل ماضی مجھول باب افتعال، بمعنی مختلف ہونا اور اختلاف کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

وَافَقَتْ: .... واحد موئنث غائب فعل ماضی معروف باب وافق بر وزن مفاعلہ، بمعنی موافقت کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

خادم: .... واحد مذکر اسم فاعل باب خَدَم بر وزن ضرب اور نصر ہے، بمعنی خدمت کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المُهِمّ: .... واحد مذکر اسم فاعل باب اَهَمَّ بر وزن افعال، بمعنی شدید معاملہ مشغول کرنے والا معاملہ، اس کی جمع مَهَامّ آتی ہے۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔ ☆☆.... ☆☆

ان امور میں جن کی ضرورت ہے، کنیتوں والے راویوں کے ناموں کی اور ناموں والے رواۃ کی کنیتوں کی معرفت حاصل کرنا ہے کیونکہ بسا اوقات راوی کا تذکرہ نام سے اور بعض دفعہ کنیت سے کیا جاتا ہے جس کی بدولت اس نوع سے عدم واقفیت رکھنے والا انہیں دو شخصیتیں سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک فرد ہوتا ہے۔ اس کی کئی اقسام ہیں: ا۔ وہ راوی جو اپنے نام سے معروف اور کنیت سے غیر معروف یا اس کے برعکس ہے۔ مثلاً طلحہ بن عبید اللہ، عبد الرحمن بن عوف، حسن بن علی ان سب کی کنیت ابو محمد ہے۔ اسی طرح ابو ادریس خولانی، ان کا نام عائذ اللہ ہے اور ابو اسحاق السبیعی ان کا نام عمرو ہے۔

۲۔ جس راوی کا نام ہی اس کی کنیت ہے: مثلاً ابو بلال اشعری جو کہ شریک سے روایت لیتا ہے اسی طرح ابو حصین (حاء کے فتحہ کے ساتھ) ہے جو کہ ابو حاتم رازی سے روایت کرتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک نے کہا میرا نام ہی میری کنیت ہے۔

۳۔ وہ راوی جس کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام اور ان کے والد کے نام میں تقریباً تیس اقوال پر اختلاف کیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ مشہور عبد الرحمن بن صخر ہے۔

۴۔ وہ راوی جس کی کنیت میں اختلاف ہے۔ مثلاً حضرت اسامہ بن زید ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابو خارجہ یا ابو محمد یا ابو عبد اللہ، کئی اقوال ہیں۔

۵۔ وہ راوی جس کی کنیتیں بکثرت ہیں مثلاً ابن جریج اس کی دو کنیتیں ابو خالد اور ابو ولید ہے۔

۶۔ وہ راوی جس کی کنیت اس کے والد کے نام کے موافق ہے یا اس کے برعکس ہے۔ مثلاً ابو مسلم اعز بن مسلم المدنی جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت لینے والا ہے۔ اسی طرح ابو اسحاق طالقانی بن اسحاق ہے نیز اسحاق بن ابی اسحاق السبیعی ہے۔

۷۔ وہ راوی جس کے والد کا نام اس کے شیخ کے نام کے موافق ہے مثلاً ربیع بن انس عن انس رضی اللہ عنہ اس کے والد بکری خاندان سے تعلق رکھتا تھا جبکہ اس کے شیخ حضرت انس بن مالک خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۸۔ وہ راوی کہ جس سے بیان کرنے والے (شاگرد) کا نام اس کے شیخ کے نام کے موافق ہے۔ مثلاً امام بخاری سے روایت لینے والے امام مسلم (جن کی کتاب کا نام صحیح مسلم ہے) ہیں جبکہ امام بخاری خود مسلم بن ابراہیم الفراہیدی الازدی سے روایت لیتے ہیں، لہٰذا جو اس کی معرفت نہیں رکھتا وہ جب یہ سنے گا حدثنا مسلم عن البخاری عن مسلم تو سمجھے گا یہ مقلوب سند ہے یا اس میں تکرار آ گیا ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں۔

۹۔ وہ راوی جس کا اپنا نام، اس کے شیخ کا اور شیخ کے شیخ کا نام متفق ہو مثلاً عمران عن عمران عن عمران ہے۔ پہلا عمران القصیر ہے دوسرا ابو رجال العطاردی جبکہ تیسرے حضرت عمران بن حصین معروف صحابی ہیں۔ ۱۰۔ وہ راوی جس کا اپنا نام اس کے والد کا اور اس کے دادا کا نام متفق ہو، مثلاً حسن بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب۔

۱۱۔ وہ راوی جس کی کنیت اس کی بیوی کی کنیت کے موافق ہو مثلاً حضرت ابو ایوب اور ام ایوب دونوں صحابی ہیں۔ اسی طرح اہم امور میں سے ان ناموں کی معرفت ہے جو کنیت سے خالی اور ان کنیتوں کی معرفت ہے جو ناموں سے خالی ہیں، نیز ان ناموں، کنیتوں اور القاب کی معرفت بھی اہم معاملات میں سے ہے جو مفرد ہیں یعنی وہ کہ جن کا مسمیٰ ایک ہی شخص ہے۔ مفرد اسماء میں سے احمد بن عجیان اور سندر (سین مفتوحہ) مولیٰ زنباع جذامی ہے۔ مفرد کنیتوں سے ابو العشراء ہے جس کا نام اسامہ ہے۔ ابو العُبَیْدَیْن (تثنیہ اور تصغیر ہے) جس کا نام معاویہ بن سبرہ ہے جو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ہے۔ مفرد القاب میں سے سفینہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان کا نام عمیر یا مہران یا صالح ہے ان کے علاوہ بھی نام بتائے گئے ہیں۔ اسی طرح سحنون عبد السلام بن سعید قیروانی ہے۔ ناموں اور کنیتوں میں توجہ کی مثل القاب اور انساب کی معرفت ہے۔ لقب بسا اوقات نام کی صورت میں ہوتا ہے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ہیں اور بسا اوقات کنیت کی صورت میں ہوتا ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب ابو تراب ہے۔ بعض دفعہ راوی کی نسبت عیب کی طرف یا فن یا پیشے کی طرف ہوتی ہے مثلاً اعرج (لنگڑا) خَیَّاط (درزی) بزّار (کپڑا فروخت کرنے والا) کبھی کبھار نسبت قبیلے کی طرف ہوتی ہے اور قبیلہ ایک باپ کی اولاد کو کہتے ہیں مثلاً قرشی، دوسی۔ بعض دفعہ نسبت وطن کی طرف ہوتی ہے اور یہ انسان کے رہنے کی جگہ شہر کی صورت میں یا جاگیر یعنی کھیت یا محلہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ جیسے بغدادی (بغداد کا رہنے والا) ضیعی (جاگیر کی طرف نسبت) قطیعی (محلے کی طرف نسبت) دار قطنی (محلے کی طرف نسبت) قطیعہ دقیق اور در قطن دونوں بغداد کے محلے ہیں۔ بسا اوقات غیر باپ کی طرف نسبت ہوتی ہے جیسے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ہیں ان کی نسبت اسود بن عبد یغوث زہری کی طرف ہے۔ یہ اس کی کفالت میں تھے تو اس نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ در حقیقت ان کا نسب یہ ہے: مقداد بن عمرو بن ثعلبہ کندی۔ بعض دفعہ والدہ کی طرف نسبت ہوتی ہے مثلاً بلال بن حمامہ، ان کے والد کا نام رباح تھا۔

اسی طرح اسماعیل بن عُلیہ ان کے والد ابراہیم بن مقسم ہیں جو کہ ولاءً اسدی ہیں۔ بعض اوقات نسبت اس کی طرف ہوتی ہے جدھر ذہن جلدی نہیں ہوتا مثلاً خالد الحذاء یہ خود موچی نہیں تھے بلکہ موچیوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ بعض دفعہ انساب، القاب کی صورت میں واقع ہوتے ہیں جیسے خالد بن مخدل القطوانی الکوفی ہے۔

ان کا لقب قطوان کی طرف نسبت کرتے رکھا گیا اور قطوان اس لمبے پاؤں والے کو کہتے ہیں جو قدم ملا کر چلے۔ اہم امور میں القاب اور انساب کے اسباب کی معرفت بھی ہے کیونکہ بسا اوقات یہ چیزیں خلاف ظاہر بھی ہوتی ہے مثلاً معاویہ بن عبد الکریم ضال ہے، یہ مکہ مکرمہ کے راستے میں گم ہو گیا تھا اس لیے اسے ضال کہا جاتا ہے، عبد اللہ بن محمد الضعیف ہے اسے جسمانی کمزوری کی وجہ سے ضعیف کہا جاتا ہے۔ حافظ عبد الغنی بن سعید الازدی نے کہا: یہ دونوں ضلیل القدر رواۃ ہیں لیکن ان دونوں کو قبیح القاب لازم ہیں۔

اس کی مثل حسن بن یزید القوی ہے اسے عبادت پر طاقت ور ہونے کی وجہ سے قوی کہا جاتا تھا۔

اسی طرح حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو البدری ہیں یہ غزوۂ بدر میں حاضر نہیں تھے بلکہ علاقہ بدر میں سکونت پذیر تھے چنانچہ زیادہ صحیح قول کے مطابق ان کی اس علاقہ کی طرف نسبت کر دی گئی۔ ان چیزوں میں سے کہ جن کے ذریعے مذکورہ بحث سے اتصال کیا گیا ہے علماء اور رواۃ میں سے موالی کی معرفت اور ان موالی میں سے بہنوں اور بھائیوں کی معرفت ہے۔

انواع الولاءِ

مفرداتِ باب

المخالفة: ....**باب مفاعله** سے مصدر، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المعاقدة: ....**باب مفاعله** سے مصدر، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

التأزّر: ....**باب تفعل** سے مصدر ہے، ہفت اقسام سے مہموز الفاء۔

اَجِیر: ....واحد مذکر صفت مشبہ باب اَجَرَ بروزن ضرب اور نصر دونوں سے آسکتا ہے بمعنی مزدور، ہفت اقسام سے مہموز الفاء۔

☆☆....☆☆

ولا کی تین اقسام ہیں:

(۱) ولاء العتاقۃ (آزادی کی بنا پر تعلق):

یہ بہت زیادہ ہے اور اکثر رواۃ اپنے آزاد کرنے والے قبیلے کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جیسے لیث بن سعد مصری الفہمی ہیں جو کہ فہم قبیلے کے آزاد کردہ ہیں۔

(۲) ولاء الاسلام:

یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لائے تو اس کے قبیلے کی طرف نو مسلم کی نسبت کی جاتی ہے جیسے کہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی ہیں ان کے دادا مغیرہ اسلام لائے تھے یمان بن اخنس الجعفی کے ہاتھ پر لہٰذا انہی کی طرف نسبت کر دی گئی۔

(۳) ولاء بالحِلف (حاء کے کسرہ کے ساتھ):

یہ محالفہ سے ماخوذ ہے اور محالفہ باہمی تائید و نصرت پر عہد و پیمان کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ امام مالک بن انس الاصبحی ولاءً التیمی ہیں کیونکہ ان کی جماعت (خاندان) قریش کی شاخ تیم کے ساتھ معاہدہ کرنے کی وجہ سے ان کی موالی بن گئی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے دادا مالک بن ابی عامر، طلحہ بن عبد اللہ التیمی کے مزدور تھے۔ اسے غور سے سمجھنا اور پکڑنا کہ مولیٰ اعلیٰ یعنی آزاد کرنے والا جس کے ساتھ معاہدہ کیا گیا اور جس کے ہاتھ پر کوئی دوسرا مسلمان ہو، کے درمیان اور مولیٰ اسفل یعنی آزاد کیا گیا معاہدہ کرنے والا اور دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والے کے مابین لفظ مولیٰ مشترک ہے۔ رواۃ میں سے موالی اور ان کے بہن بھائیوں کی معرفت کے فوائد میں سے متعدد افراد کو ایک خیال کرنے کے التباس سے بے خوفی اور سلامتی ہے یا غیر بھائی کو والد کے نام میں اشتراک کی وجہ سے بھائی خیال کرنے کے التباس سے محفوظ رہنا ہے مثلاً عبد اللہ بن دینار اور عمرو بن دینار ہیں یہ دونوں ایک ہی طبقہ کے راوی ہیں اور بھائی نہیں۔

☆☆☆

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ امام بن معین جب کسی راوی کے بارے میں ''لا باس بہ'' کہیں تو وہ پانچویں درجے کا راوی شمار ہوتا ہے۔

۲۔ امام بخاری جس راوی کے بارے میں منکر الحدیث کہہ دیں اس کی روایت لینا درست نہیں۔

۳۔ ابو اسحاق السبیعی کا نام عمر ہے۔

۴۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا نام بالاتفاق عبد الرحمن بن صخر ہے۔

۵۔ ابو مسعود عقبہ بن عمرو البدری غزوہ بدر میں مردانہ وار لڑے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ جرح مفسر کسے کہتے ہیں؟

۲۔ جب کسی راوی کے بارے میں ''لا یسأل عنہ'' کہہ دیا جائے تو اس کی روایت قابل قبول ہوگی۔

۳۔ کیاثَبتٌ سے زیادہ قوی حجۃٌ ہے۔

۴۔ فلان صدوق اور فلان ثقۃ میں کیا فرق ہے؟

۵۔ ثقاہت کے چھٹے مرتبے کے صیغوں کی وضاحت کیجیے۔

۶۔ مراتب تعدیل میں سے کون سے مراتب والے رواۃ قابل حجت ہیں؟

۷۔ فلانٌ صدقٌ اور فلانٌ ثقۃ میں کیا فرق ہے؟

۸۔ ثقۃ اور لیس بہ بأس میں امام ابن معین کے نزدیک کیا فرق ہے؟

۹۔ پانچویں مرتبے کے لوگوں کی حدیث کیوں لکھی جاسکتی ہے؟

۱۰۔ کون ساصیغہ زیادہ جرح کا حامل ہے: فلانٌ دجّالٌ، ہو رکن الکذب؟

۱۱۔ لیس بشئی جرح کے کس مرتبے سے تعلق رکھتا ہے؟

۱۲۔ مراتب جرح میں کون سے مراتب کے رواۃ کی روایت کچھ حیثیت رکھتی ہے؟

۱۳۔ رواۃ کے ناموں اور کنیتوں کی پہچان کیوں ضروری ہے؟

۱۴۔ کیا کسی راوی کی ایک سے زائد کنیتیں ہو سکتی ہیں؟ ۱۵۔ "حدثنا مسلم عن مسلم عن مسلم" کیا یہ سند صحیح ہے؟

۱۶۔ ولاء سے کیا مراد ہے؟ نیز مولی کے معانی تحریر کیجیے۔

☆☆☆

كِتابة الحديثِ وعَرضُه وإسماعُه وَالرِّحلَةُ فِي طلبهِ

(حدیث لکھنا، اس کا موازنہ کرنا، اسے بیان کرنا اور اس کو لینے میں سفر کرنا)

مفرداتِ باب

کتابَة: ....اسم مصدر باب کتب بروزن نصر بمعنی لکھنا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُنْقَطُ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع مجہول باب نَقَطَ بروزن نصر بمعنی حروف پر نقطے لگانا، ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُخِلُّ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب اَخَلَّ بروزن افعال، بمعنی بگاڑ پیدا کرنا اور خلل ڈالنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

یُقَابِل: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب مفاعلة، بمعنی تقابل کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

اِسْماع: ....مصدر باب اَسْمَعَ بروزن افعال، بمعنی سنانا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

فَلْیُجْبِرْهُ: ....واحد مذکر غائب فعل امر غائب معلوم باب اَجْبَرَ بروزن افعال، بمعنی کمی پوری کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یَسْتَوْعِبِ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب اسْتَوْعَبَ بروزن استفعال، بمعنی گھیرنا اور احاطہ کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

☆☆....☆☆

کتابۃ الحدیث

حدیث کی کتابت صاف اور واضح خط کے ساتھ ہو اور مشکل الفاظ پر اعراب اور نقطے لگائے جائیں اور گرا ہوا حرف دائیں جانب حاشیہ پر لکھا جائے بشرطیکہ ممکن ہو ورنہ بائیں جانب لکھا جائے۔

سماع الحدیث: مشائخ سے حدیث لینا سماع حدیث کہلاتا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ شیخ کے الفاظ سنتے وقت یا اس پر قراءت کے وقت طالب علم بیدار ہو اور کسی ایسی کلام یا قراءت یا غیر سنی ہوئی چیز کے لکھنے میں مصروف نہ ہو جو (سماع میں) خلل ڈالتی ہو۔

عرض الحدیث:

طالب علم کا شیخ کے ساتھ (روایات کا) تقابل کرنا خواہ شیخ کے پاس اس کی اصل ہو یا اپنے حافظے پر اعتماد کرے یا طالب علم شیخ کے علاوہ دوسرے ثقہ راوی کے ساتھ تقابل کرے یا بذاتِ خود طالبِ علم شیخ کے اصل نسخے یا اس سے موازنہ کیے گئے فرع کے ساتھ تقابل کرے۔

اسماع الحدیث:

حدیث کو آگے بیان کرنا اسماع الحدیث کہلاتا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ احادیث سناتے اور بیان کرتے وقت شیخ بیدار ہو اور خلل ڈالنے والی باتوں اور امور میں مشغول نہ ہو۔ نیز یہ کہ اس کی ادائیگی اس کے اصل نسخے سے ہو کہ جس میں احادیث سن کر لکھی گئی ہوں یا ایسی فرع سے ادائیگی ہو جس پر تقابل کیا گیا ہے اور اگر شیخ بیان کرنے سے معذور ہو تو اجازت دے کر اس کی کمی پوری کر دے۔

الرحلۃ فی طلب الحدیث:

اپنے علاقے والے علماء کی احادیث کا احاطہ کرنے کے بعد راوی کا ان متون و اسانید کے حصول کے لیے وطن چھوڑنا جو اس کے پاس نہیں۔ متنوں کی کثرت میں اس کی توجہ اسانید کی کثرت میں اہتمام سے زیادہ ہونی چاہیے۔

التصنیف فی الحدیث

مفرداتِ باب

التصنیف: ....باب تفعیل سے مصدر، بمعنی لکھنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یَجِدُ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف وَجَد بروزن ضرب، بمعنی پانا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

☆☆....☆☆

جو آدمی تصنیف فی الحدیث پر قدرت پاتا ہے اس پر اس میدان میں سرگرم عمل ہونا ضروری ہے تاکہ متفرق روایات کو جمع کر دے۔ دور کے علاقہ میں پائی جانے والی روایات کو قریب کر دے، مشکل کی وضاحت اور مجمل کی تفسیر کر دے۔ اور اپنی تصنیف کردہ کتاب کو اپنے ہاتھ سے نکالے مگر اس کی تہذیب اور اس میں بار بار نظر کرنے کے بعد۔ نیز اس کی تالیف اس موضوع پر ہو جس کی عام ضرورت ہو اور جس کا فائدہ زیادہ ہے۔

انواع التصنیف

(تصنیف کی اقسام)

(۱) الجوامع:

ہر وہ کتاب جامع ہے جو عقائد، احکام، رقاق (دل کو نرم کرنے والی احادیث)، کھانے پینے کے آداب، سفر، قیام و قعود، تفسیر و سیر، تاریخ، فتن، مناقب اور مثالب (عیبوں) کی احادیث کو جمع کرنے والی ہے۔ جیسے امام بخاری کی "الجامع الصحیح" ہے۔

(۲) المسانید:

ہر وہ کتاب مسند ہے جس میں ہر صحابی کی الگ الگ روایات بغیر صحت حدیث اور تحسین حدیث کی قید کے، نیز بغیر باب کی مناسبت وغیرہ کے جمع کی ہوں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل کی المسند ہے۔

(۳) المعاجم:

ہر وہ کتاب معجم ہے جس میں شیوخ کی ترتیب پر روایات کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ ایسی کتاب میں عموماً حروف تہجی کی ترتیب ہوتی ہے، جیسا کہ امام طبرانی کی تینوں معاجم ہیں۔

(۴) العلل:

وہ کتب ہیں جو معلول روایات کا، ان کی علتوں کی وضاحت کے ساتھ احاطہ کیے ہوں، امام احمد، دار قطنی اور ابن ابی حاتم ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے اس نوع میں کتب لکھیں۔

(۵) الاجزاء:

وہ کتابچہ کہ جس میں ایک آدمی کی روایات جمع کی گئی ہوں خواہ وہ صحابی ہو یا ان کے بعد کے زمانے والا۔ یا وہ کتابچہ ہے جس میں ایک موضوع کے متعلقہ احادیث کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ جیسے کہ جزء رفع الیدین، جزء القراءۃ خلف الامام، یہ دونوں امام بخاری کی تصنیف کردہ ہیں۔

(۶) الاطراف:

تدریب الراوی کے مصنف نے کہاہے کہ اطراف پر تصنیف وہ ہے کہ (جس میں) حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرنے والا ہو اور اس کی اسانید یا تو مکمل طور پر احاطہ کرتے ہوئے یا مخصوص کتب کے ساتھ مقید کرتے ہوئے اکٹھی کر دی گئی ہوں۔ جیسا کہ حافظ ابو الحجاج مزی کی تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ہے۔

☆☆☆

(۷) المستدرکات

مفرداتِ باب

المستدرکات: .... جمع مونث اسم مفعول ہے باب استدرک بروزن استفعال، بمعنی تلافی کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

المستخرجات: .... جمع مونث اسم مفعول باب استفعال، بمعنی استنباط کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

تَعَزّٰی: .... واحد مونث غائب فعل مضارع معلوم باب تَعَزّٰی بروزن تفعل اس کی ایک تاء تخفیفاً حذف ہوئی ہے اصل میں تَتَعَزّٰی تھا، بمعنی منسوب ہونا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

☆☆....☆☆

ہر وہ کتاب مستدرک ہے جس میں کسی دوسری کتاب کے مصنف سے رہ جانے والی روایات کو اس کی شرط پر اکٹھا کر کے تلافی کی گئی ہو۔ جیسا کہ امام ابو عبد اللہ الحاکم کی المستدرک علی الصحیحین ہے۔

(۸) المستخرجات

ہر وہ کتاب مستخرج ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کو صاحب کتاب کی سندوں کے علاوہ صحیح اسانید سے بیان کیا گیا ہو۔ اور صاحب کتاب کے ساتھ اس کے شیخ یا اس سے اوپر کسی راوی میں استخراج کرنے والا مل جائے جیسا کہ ابو نعیم اصبہانی کی "**المستخرج علی الصحیحین**" ہے۔

آداب الشیخ والطالب

(شیخ اور تلمیذ کے آداب)

یُقْبِلُ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب افعال، بمعنی متوجہ ہونا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یُوَقِّرُ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب وَقَّر بروزن تفعیل، بمعنی عزت وتوقیر کرنا۔ ہفت اقسام سے مثال واوی ہے۔

☆☆....☆☆

ضروری امور میں سے شیخ اور تلمیذ کے آداب کی معرفت بھی ہے، نیت کی درستگی، دل کو دنیوی مال ومتاع سے پاک رکھنا، علم پر عمل کرنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ رکھنے میں شیخ اور تلمیذ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

شیخ کے آداب

ا۔ شیخ اس بات میں منفرد ہے کہ جب حدیث بیان کرنے کی مجلس میں آئے تو حاضرین کی طرف متوجہ ہو۔

۲۔ مجلس کا آغاز واختتام اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے ساتھ کرے۔

۳۔ حاضرین میں سے اگر کوئی آواز بلند کرے تو اسے پست کرنے کا کہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنے کی مجلس کے وقت آواز بلند کرنا آپ کے پاس آواز بلند کرنے کی مثل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے۔

۴۔ حدیث بیان کرنے کے دوران کسی کے لیے کھڑا نہ ہو اور نہ ہی کھڑا ہو کر اور نہ ہی جلدی جلدی اور نہ ہی راستے میں حدیث بیان کرے البتہ اگر کوئی ضرورت ہو تو پھر ٹھیک ہے۔

۵۔ بڑھاپے، خوف یا آنکھوں کی بینائی چلے جانے کے سبب یا کسی عارضہ کے وقت اسے اگر نسیان یا اختلاط کا اندیشہ ہو تو حدیث بیان کرنے سے رک جائے۔

صرف تلمیذ کے آداب

مفرداتِ باب

اِجْلَال: ....مصدر باب اَجَلّ بر وزن افعال، بمعنی تعظیم کرنا۔ ہفت اقسام سے مضاعف ثلاثی ہے۔

اِنْتِفَاع: ....باب افتعال سے مصدر، بمعنی نفع حاصل کرنا۔ ہفت اقسام سے صحیح ہے۔

یَعتَنِیْ: ....واحد مذکر غائب فعل مضارع معروف باب اِعْتَنیٰ بروزن افتعال، بمعنی اہتمام کرنا، پرواکرنا۔ ہفت اقسام سے ناقص یائی ہے۔

خُذُوْا: ....جمع مذکر حاضر فعل امر حاضر معروف باب اَخَذ بروزن نصر، بمعنی پکڑنا۔ ہفت اقسام سے مہموز الفاء ہے۔

تُطِیْقُوْنَ: ....جمع مذکر حاضر فعل مضارع معروف باب اَطَاقَ بروزن افعال، بمعنی طاقت رکھنا۔ ہفت اقسام سے اجوف واوی ہے۔

☆☆....☆☆

۱۔ یہ صرف شاگرد کے آداب میں ہے کہ وہ اپنے شیخ کی تعظیم وتوقیر کرے، کیونکہ یہ علم کی عظمت اور اس سے مستفید ہونے کے اسباب میں سے ہے۔

۲۔ علم حاصل کرنے میں مکمل سعی وکوشش سے حیاء اور تکبر اسے نہ روکے اگرچہ اسی سے علم حاصل کرنا پڑے جو عمر، عزت وشرف اور نسب میں اس سے کم درجہ ہی ہو۔

۳۔ شیخ کی تند مزاجی پر صبر کرے۔

۴۔ اور علم کو ضبط وقید کرنے کا اہتمام کرے۔

۵۔ اپنی محفوظ روایات کا مذاکرہ کرے۔

۶۔ اور اپنے ذہن میں رسوخ پیدا کرنے کے لیے اہل علم سے بحث ومباحثہ کرے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حدیث کا مذاکرہ کیا کرو کیونکہ حدیث کا مذاکرہ اس کی زندگی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک گھڑی علم کا مذاکرہ کرنا ساری رات کو زندہ کرنے یعنی عبادت سے بہتر ہے۔

جناب زہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ علم کی آفت نسیان اور مذاکرہ کی قلت ہے۔

۷۔ حدیث کے لیے تلمیذ کا حفظ بالتدریج یعنی تھوڑا تھوڑا ہونا چاہیے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ: ''خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِیْقُوْنَ'' وہ اعمال کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔

۸۔ عبادات و آداب کے حوالے سے سنی ہوئی احادیث پر عمل کرے کیونکہ یہ حدیث کی زکوٰۃ اور اسے یاد کرنے کا سبب ہے۔ امام وکیع نے فرمایا: جب تم حدیث کو یاد کرنا چاہتے ہو تو اس پر عمل کرو۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: میں نے نہیں کوئی حدیث لکھی مگر اس پر عمل کیا ہے، یہاں تک کہ میرے سامنے حدیث آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگوائی (پچھنے لگوائے) اور ابوطیبہ (سینگی لگانے والے) کو ایک دینار دیا تو میں نے بھی پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو ایک دینار دیا۔

۹۔ حدیث کی معرفت اور سمجھ کے بغیر فقط سماع اور لکھنے پر ہی اکتفاء نہ کرے۔

۱۰۔ بخاری و مسلم کو مقدم رکھے، پھر (بالترتیب) سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان کو اور پھر سنن الکبریٰ کو مد نظر رکھے۔ بعد ازاں مسند احمد کی طرح مسانید جوامع اور حدیث کے موضوع پر لکھی دیگر تمام کتب کو جن کی ضرورت ہے کو سامنے رکھے۔

پھر علل کو جیسا کہ امام احمد، دارقطنی اور ابن ابی حاتم کی کتاب ہے، اور اسماء الرجال میں سے امام بخاری کی تاریخ کبیر اور تاریخ ابن ابی خیثمہ کی مثل کتب کو دیکھے۔ اسماء کے ضبط میں سے ابن ماکولا کی الاکمال اور غریب الفاظ پر لکھی گئی کتاب مثلاً النہایہ لابن اثیر کو پڑھے جبکہ پختگی تلمیذ کا شعار ہو۔

خاتِمَةٌ فی اَنَّ السُنَّةَ حجةٌ علی جمیعِ الاُمَّةِ

(کتاب کا خاتمہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تمام امت پر حجت ہیں)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر : ۵۹)

''رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران : ۳۱)

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

مزید فرمایا:

﴿فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾(النساء: ٦٥)

''تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ آپس کے تمام جھگڑوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں تو وہ اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور اچھی طرح تسلیم کرلیں۔''

نیز فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء: ٥٩)

''پس اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرنے لگو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (النور: ٦٣)

''جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈر جانا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا انہیں کہیں دردناک عذاب نہ لپیٹ لے۔'' اس موضوع پر بے شمار آیات کریمات ہیں۔ ائمہ اربعہ اور تمام علماء ربانی کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس سے بلند وبالا اور عظیم ہے کہ کسی انسان کے قول کو اس پر مقدم سمجھا جائے وہ کوئی بھی ہو۔ سنت پر عمل کرنا بھی اس کی تعظیم وتکریم ہے۔

ابن عابدین نے المنظومہ کی شرح جس کا نام عقود رسم المفتی ہے میں کہا ہے کہ: امام ابوحنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْہَبِیْ'' جب حدیث صحیح آجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ امام ابن عبدالبر نے بھی امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ سے ایسے اقوال نقل کیے ہیں۔ امام مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہر انسان کا کلام مقبول بھی ہوسکتا ہے اور مردود بھی ماسوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے (ان کی بات ہر صورت میں مقبول ہوگی)۔ امام شافعی سے مروی ہے کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ نیز فرمایا: اگر تم دیکھو کہ میری بات حدیث کی مخالفت کر رہی ہے تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار پر دے مارو۔ نیز فرمایا: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس انسان کے سامنے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم واضح ہوگئی کسی کے قول کی وجہ سے اس سنت کو ترک کرنا اس کے لیے حلال نہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ کا یہی مفہوم ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷")

رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ الانبیاء: ۷)

" اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔"

مشقی سوالات مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور صحیح کی نشاندہی کیجیے:

۱۔ سماع اور اسماع حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲۔ حدیث کا مذاکرہ اس کی زندگی ہے۔

۳۔ کسی چیز کو یاد کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔

۴۔ بھول جانے کی آفت نسیان ہے۔

۵۔ چوتھی صدی کے بعد تقلید کی وبا عام ہوئی۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے:

۱۔ حدیث پر اعراب لگانے کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ موجودہ دور میں حاشیہ لگانے کا کون سا طریقہ مروج ہے؟

۳۔ سند کی بنسبت زیادہ توجہ متون کی طرف کیوں ہونی چاہیے؟

۴۔ الجوامع کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

۵۔ المسند کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

۶۔ المعجم کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

۷۔ العلل کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

۸۔ الاجزاء کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

۹۔ الاطراف کس کتاب کو کہا جاتا ہے؟

۱۰۔ المستدرکات کس قسم کی کتب کو کہا جاتا ہے؟

۱۱۔ المستخرجات کس قسم کی کتب کو کہا جاتا ہے؟

۱۲۔ آداب الشیخ والسامع تحریر کیجیے۔

۱۳۔ اگر صحابی کا فتویٰ اس کی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہو تو فتویٰ قبول کیا جائے گا یا حدیث قبول کی جائے گی؟ اور وجہ بھی بیان کیجیے۔

مندرجہ ذیل سوالات پر بالتفصیل روشنی ڈالیے:

۱۔ قرآن مجید کی روشنی میں حدیث کی حجیت پر نوٹ تحریر کیجیے۔

۲۔ ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں تقلید کی حیثیت واضح کیجیے۔

☆☆☆

اصول تخریج

تخریج کالغوی معنی:

لفظِ" تخریج "یہ " خَرَّجَ، یُخَرِّجُ" سے مصدر ہے، جس کا معنی نکالنا ظاہر کرنا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

حدیث کے اصل ماخذ کا بیان اور اس کے مختلف طرق پر بحث کرتے ہوئے اس پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا۔ یاد رہے کسی حدیث کا صرف اصل ماخذ بیان کر دینا یہ صرف حدیث کی نسبت بتانا ہے، یہ تخریج نہیں کہلائے گا۔ گویا تعریف میں تخریج کے تین ارکان ہیں:

۱: حدیث کا اصل ماخذ تلاش کرنا۔

۲: سندوں کو جمع کر کے ان کی اور متن حدیث کی تحقیق کرنا۔

۳: حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا۔

علمِ تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف:

شرعی مسئلے کے حل کے لیے جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ جس حدیث پر مسئلے کی بنیا د رکھنی ہے، وہ ثابت بھی ہے کہ نہیں؟ کسی حدیث کو بیان کرنے کے لیے حدیث کی سند پر اطلاع پانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ جب سند سامنے ہو گی، تب رواۃ پر بحث ہو گی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی محدث یا محقق مطلوبہ حدیث کی تحقیق تک پہنچ سکتا ہے، جس حدیث کی بھی تحقیق کرنی ہو اس میں یہی انداز اپنایا جائے گا۔

علمِ تخریج سے مدد طلب کرنا:

کسی چیز کے رد یا قبول کرنے سے پہلے اس کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے، یہ تب ہی ممکن ہے جب علم تخریج سے واقفیت ہو گی، ورنہ انسان اصل حقیقت سے ناآشنا ہی رہے گا، بلکہ جو کچھ پڑھے گا، اسے حقیقت خیال کرے گا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

علم تخریج کا واضع:

اس کو وضع کرنے والا کوئی معین شخص نہیں ہے، اس پر مختلف ادوار گزرے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ صحابہ کرام نے قران و حدیث کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور صحابہ کرام تمام کے تمام ثقہ اور

عادل تھے۔ اس وقت تخریج کا وجود ہی نہیں تھا، جب بعد میں کتبِ احادیث لکھی گئیں، تب حدیث کی اصل کتاب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہو گیا اور سند کے وجود سے تخریج کا وجود بھی شروع ہوا۔

حکم:

علمِ تخریج کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جس کا تعلق حدیث، تفسیر، فقہ، اصول یا کسی بھی فن سے ہے، کیونکہ ہر کوئی حدیث کا محتاج ہے خواہ وہ تھوڑا محتاج ہو یا زیادہ، مثلاً ایک شخص نحوی ہے، اس کو بھی حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح فقیہ اور مفسر بھی حدیث کا محتاج ہوتا ہے چونکہ حدیث ایسا فن ہے جس کی طرف ہر اہل علم محتاج ہوتا ہے، لہٰذا ایک نحوی کی بھی فن تخریج اور جرح وتعدیل میں وسعتِ نظر ہونی چاہیے، ورنہ وہ نحو میں جو مثالیں پیش کرے گا تو ان میں ضعیف اور موضوع روایات کو بھی ترویج دے گا۔ افسوس کہ آج کل علمِ حدیث کی طرف بہت کم توجہ دی جا رہی ہے۔

تخریج کی اقسام

تخریج کی تین قسمیں ہیں:

۱: مفصل تخریج

حدیث کی تمام اسانید، تمام حوالہ جات، تمام توابع اور تمام شواہد اور تمام رواۃ پر سیر حاصل بحث کرنا اور صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا، جیسے "شیخ ابو اسحاق الحوینی کی کتب، مثلا" بذل الاحسان" وغیرہ ہیں، اس سے مکمل تشفی ہوتی ہے۔ **۲: مختصر تخریج**

حدیث کی مختصر تخریج کرنا، اس میں چند حوالے لکھے جاتے ہیں اور سند پر مختصر حکم لکھا جاتا ہے یہ طریقہ بھی درست ہے لیکن اس میں نقص کافی ہیں، لیکن بعض دفعہ کافی مجبوریاں سامنے ہوتی ہیں جن کی بنا پر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ اس وقت بہتر ہے جب مفصل تخریج کی طرف رہنمائی کر دی جائے مثلا أخرجہ أبو داود، وھو حدیث صحیح، وانظر تفصیلہ فی الارواء۔

۳: قاصر تخریج

اس سے مراد تخریج کا وہ طریقہ ہے جس میں اس حدیث پر چند کتب کا حوالہ لکھ دیا جاتا ہے، **مثلا: أخرجه أبو داود والترمذی۔**

اگرچہ فائدے سے یہ طریقہ بھی خالی نہیں لیکن صحت وضعف کے فرق کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے اصطلاحی اعتبار سے اس کو تخریج کہنا درست نہیں۔ بعض تجارت پیشہ مکتبوں نے آج کل اسی طریقے کو اختیار کیا ہوا ہے۔ ایسے لوگوں کو صحت وضعف کا اہتمام ماہر فن جرح وتعدیل سے کروانا

چاہیے، تا کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سالم رہے، ورنہ وہ لوگ تخریج کرتے نظر آتے ہیں جن کو علوم حدیث کی ابجد کا بھی علم نہیں، بس اللہ تعالی تمام ناشرین کو خدمتِ حدیث اور محبتِ حدیث کے جزبے سے سرشار فرمائے۔

آمین تخریج کے فوائد:

تخریج کے فوائد بہت زیادہ ہیں، کیونکہ سنت کے خزانے کی طرف رسائی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ خوش قسمت ہے وہ اہل علم جو تخریج و تحقیق کو اپنا مشغلہ بنالیتا ہے، اس سے وہ دیگر ہم عصر اہل علم پر فائق ہوتا ہے اور ایک عرصے کے بعد وہ محدثین کے زمرے میں شمار کیا جانے لگتا ہے۔

تخریج اہم ترین فن ہے، افسوس کہ اس فن میں اہل علم نہ ہونے کے برابر ہیں، اس فن پر توجہ کی ضرورت ہے، تاکہ ماہر رجالِ تخریج و تحقیق کثرت سے پیدا ہوں۔ عرب علماء میں تو بہت کام ہو رہا ہے، لیکن بر صغیر پاک و ہند میں اس فن میں کام نہ ہونے کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ اس کمی کو پورا فرما ئے۔ آمین۔ تخریج کے مشہور فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ حدیث کے اصل مصدر کی معرفت۔

۲۔ ایک حدیث کی کئی ایک سندوں کا جمع ہونا۔

۳۔ صحیح اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے سند کی حالت کی معرفت۔

۴۔ بعض دفعہ ایک سند میں ضعف ہوتا ہے، لیکن تتبع طرق سے اس کی کوئی صحیح سند مل جاتی ہے۔

۵۔ حدیث پر محدثین کے حکم کی معرفت۔

۶۔ رواۃ میں سے مہمل کی تمیز ہونا، جب ایک سند میں مہمل راوی ہو مثلاً ''عن محمد'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۷۔ مبہم کی تعیین، بسا اوقات سند میں ایک راوی مبہم ہوتا ہے مثلاً'' عن رجل'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۸۔ مدلس راوی کے سماع کی صراحت کا ملنا۔

۹۔ مختلط راوی کے اختلاط کی وضاحت کا ملنا، ایک سند میں مختلط راوی ہے تو کسی دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے کہ فلاں راوی نے اس کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے سنا ہے یا بعد میں، اگر اختلاط سے پہلے سنا ہے تو حدیث صحیح اور اگر بعد میں سنا ہے تو ضعیف۔

۱۰۔ حدیث میں نقص اور زیادتی کی وضاحت۔

۱۱: بعض دفعہ جس لفظ کو تلاش کیا جارہا ہے، وہ کئی احادیث میں موجود ہے تو اس حالت میں تمام حوالہ جات کو اصل ماخذوں سے تلاش کیا جائے، تب اس اصل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے۔

۱۲: جو شخص اپنا وقت حدیث کو تلاش کرنے اور اس کی تحقیق و تخریج و تشریح میں گزارتا ہے، وہ لوگوں میں ممتاز ہو جاتا ہے اور مستقبل میں "محدث" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۳: مشہور محقق و محدث فضیلۃ الشیخ عبد الرؤف بن عبد الحنان بن حکیم اشرف سندھو حفظہ اللہ لکھتے ہیں: "تخریج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر ابوداود یا دوسری سنن میں ایک حدیث ایسی آجاتی ہے کہ جس کی سند میں کسی راوی کے ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سنن بیہقی یا مسند احمد وغیرہ میں اس ضعیف یا مدلس راوی کی کسی دوسرے راوی نے متابعت کی ہو، یا اس مدلس نے وہاں تحدیث یا سماع کی صراحت کی ہو۔ یا ان کتب میں یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہو، یا اس کے شواہد ہوں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح، حسن یا قوی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کی سند ضعیف ہو تو اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو یا اس کے شواہد ہوں۔ مگر جب تتبع اور بحث کے بعد ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کی دوسری سند، یا شواہد نہیں ہیں تو پھر اس حدیث پر مطلقاً ضعف کا حکم لگایا جاسکتا ہے[1]

اگر ابوداود یا دوسری سنن میں ایک حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہو تو اس صورت میں بھی اس کی تخریج خالی از فائدہ نہ ہو گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری کتب میں اس حدیث کی دوسری سندیں یا اس کے شواہد ہوں اور اس صورت میں فائدہ یہ ہو گا کہ اس حدیث کی صحت پر مزید اطمینان ہو جائے گا۔[2]

کتبِ تخریج کا ذکر:

کتبِ تخریج بہت زیادہ ہیں، جن سے طالب علم یا محقق مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب بھی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے تو کتبِ تخریج کی طرف مراجعت از حد ضروری ہے، تاکہ اپنے سے پہلے علماء کی محنت اور تخریج و تحقیق سے بھرپور استفادہ اٹھایا جائے، ان میں سے بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

نصب الرایۃ للزیلعی

البدر المنیر لابن الملقن) [1]الباعث الحثیث لاحمد شاکر ص:۹۰). [2] (القول المقبول ص:۲۰-۲۱)

المغنی عن حمل الاسفار للعراقی

الدرایۃ لابن حجر

التلخیص الحبیر لابن حجر

مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء للسیوطی

۔اللھم أدخلھم الجنة الفردوس۔

تخریج کے طریقے

مندرجہ ذیل طریقوں سے تخریج کی جاسکتی ہے:

پہلا طریقہ:

حدیث کے کسی لفظ سے تخریج کرنا۔ اس میں متنِ حدیث کے کسی ایک لفظ کا یاد ہونا ضروری ہے۔اس طریقے سے تخریج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے حدیث تلاش کی جائے گی:

(ا) **المعجم المفھرس لألفاظ الحدیث النبوی**

اس کتاب میں حدیث کی ۹ مشہور کتب کے الفاظ کی فہارس بنائی گی ہیں، موطا امام مالک، مسند احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن الدارمی۔

اگر کسی حدیث کا وجود ان نو کتب میں ہے اور اس کا کوئی لفظ یاد ہے تو مذکورہ کتاب "المعجم المفھرس۔ کی مدد سے تخریج ممکن ہے۔

(۲) اگر سنن الدارقطنی میں موجود کسی حدیث کا کوئی لفظ یاد ہے تو اس کو "**المعجم المفھرس لألفاظ سنن الدارقطنی لیوسف المرعشلی**" میں تلاش کیا جائے، تب سنن الدارقطنی کی حدیث تک پہنچنا ممکن ہے۔ وہ فوائد جن کا تعلق کسی لفظ کے ساتھ تخریج کرنے سے ہے درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ:

اس طریقہ تخریج کے لیے مکتبہ شاملہ، مکتبہ ذہبیہ وغیرہ بھی بہت اہم ہیں، ان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط کرنا ضروری ہے کہ مطلوبہ حدیث ملنے کے بعد اصل کتاب سے مراجعت ضرور کرلی جائے، صرف مکتبہ شاملہ وغیرہ پر انحصار کرکے حوالے لکھ دینا درست نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ:

مذکورہ کتب میں الفاظ کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس طرح لغت سے کوئی لفظ تلاش کیا جاتا ہے، بالکل اسی طریقے سے حدیث بھی تلاش کی جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ:

''المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوي'' میں مسند احمد کی حدیث کے ساتھ جلد اور صفحہ نمبر لکھا جاتا ہے اور نسخہ میمنیۃ کا حوالہ ہوتا ہے۔ باقی کتبِ حدیث میں پائی جانے والی حدیث کے ساتھ کتاب کا رمز مثلاً خ، صحیح بخاری کے لئے، پھر اس میں کتاب کا نام مثلاً الطہارۃ، پھر باب کا نمبر مثلاً ۱۰۱۔ اکٹھا حوالہ اس طرح ہو گا: خ، الطہارۃ: ۱۰۱۔ باقی کتب بھی اسی طریقے پر قیاس کر لیں۔

دوسرا طریقہ: موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا:

حدیث کے موضوع کے اعتبار سے حدیث کی تخریج کرنا۔ جس حدیث کی تخریج کرنی ہے، اس کے موضوع کا علم ہو، مثلاً: فلاں حدیث وضو کے متعلق ہے تو اس حدیث کو وضو کے متعلق احادیث میں تلاش کیا جائے گا۔ اب وضو کے متعلق حدیث کو کتاب الجہاد میں تو تلاش کرنا درست نہیں، بلکہ کتاب الطہارۃ ہی میں تلاش کرنا ہو گی، اس طریقے سے تلاش کرنے کے لئے فقہی ترتیب پر لکھی گئی کتب میں حدیث تلاش کرنا ہو گی، اس ایک مثال پر باقی کو قیاس کر لیں۔ اگر کسی حدیث کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر سے ہے تو اس حدیث کو کتب تفاسیر میں تلاش کرنا ہو گا، مثلاً تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر الثوری، تفسیر عبد الرزاق، تفسیر مجاہد، تفسیر ابن کثیر وغیرہم۔ اگر کسی حدیث کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول سے ہے تو اس حدیث کو سببِ نزول پر لکھی گئی مستند کتب میں تلاش کیا جائے گا،

مثلاً أسباب النزول للواحدي، العجاب في أسباب النزول لابن حجر۔ وغیرہ

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ موضوعی اعتبار سے کس طرح حدیث کی تخریج کرنی ہے۔ اگر کسی حدیث کا تعلق غریب الحدیث سے ہے تو اس کی تخریج کتب غریب الحدیث سے ہی کی جائے گی۔ کتب غریب الحدیث درج ذیل ہیں، غريب الحديث لأبي عبيد القاسم بن سلام، غريب الحديث للحربي، غريب الحديث لابن قتيبه، اور ان کی دوسری کتاب غلط أبي عبيد، ،غريب الحديث للخطابي، الغريبين لابي عبيد الهروي، المجموع المغيث في غريب الحديث لأبي موسى المديني، النهاية في غريب الحديث لابن الأثير وغیرہ۔

تیسرا طریقہ:

صحابی کے واسطے سے تخریج کرنا، اس طریقے میں مطلوبہ حدیث کے سب سے اوپر والے راوی یعنی صحابی کا علم ہو مرفوع ہونے کی صورت میں یا تابعی کے نام کا علم ہو مرسل ہونے کی صورت میں۔ محدثین نے اس طرز پر بھی کتب تصنیف کی ہیں، مثلا جس صحابی کی روایت تلاش کرنی ہے، اس صحابی کا نام تلاش کر کے اس میں وہ مطلوبہ حدیث تلاش کی جائے گی۔ یہ طریقہ اس وقت ممکن ہے جب صحابی کے نام کا علم ہو۔ اس طریقے پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں، مثلا کتب الأطراف، أطراف الصحیحین لأبی مسعود الدمشقی، أطراف الکتب الستة لأبی الفضل محمد بن طاہر بن أحمد المقدسی، الاشراف علی الأطراف لابن عساکر، تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف لأبی الحجاج المزی، اتحاف المهرة بأطراف العشرة لابن حجر العسقلانی۔

اس طریقے کے فوائد:

۱: حدیث کے طرق ایک ہی جگہ جمع ملتے ہیں، اس سے حدیث کے متواتر، مشہور، عزیز یا غریب ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ پہچانا جاتا ہے۔ اگر ایک حدیث کو کئی کتب اطراف میں دیکھا جائے تو اس طرح بہت زیادہ طرق پر اطلاع ممکن ہوتی ہے۔

۲: سندوں کا آپس میں موازنہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون کس کی متابعت کر رہا ہے یا فلاں کے کتنے تلامذہ یا شیوخ ہیں۔

۳: حدیث کو کس کس نے نکالا ہے اور وہ کتبِ حدیث میں کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟

چوتھا طریقہ:

حدیث کے ابتدائی حصے کو مد نظر رکھ کر حدیث کو تلاش کرنا، یعنی جن الفاظ سے حدیث شروع ہو رہی ہے، ان کے ذریعے تخریج کرنا، مثلا "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" اسحدیث کو تلاش کرنے کے لئے "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" کو مطلوبہ کتب سے تلاش کرنا ہو گا۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے لیے حدیث کے ابتدائی حصے پر مطلع ہونا ضروری ہے، پھر ابتدائی حصے کے پہلے حرف کو مطلوبہ کتب میں تلاش کرنا ہو گا جب وہ مل جائے گا تب اگلے حرف کو پھر اس کے ساتھ والے کو، اس طرح اصل مقصود تک انسان پہنچ جاتا ہے۔ **فائدہ:** اس طریقے سے انسان بڑی جلدی اصل مقصود تک پہنچ جاتا ہے لیکن اس میں یہ نقص بھی ہے کہ شروع حصے میں معمولی سی تبدیلی واقع ہو جائے تب انسان اصل مقصود تک پہنچنے میں ناکام رہتا ہے۔

اس طریقے پر لکھی گئی کتب:

الجامع الصغیر من حدیث البشیر النذیر للسیوطی، الفتح الکبیر فی ضم الزیادا الی الجامع الصغیر للسیوطی، الجامع الأزھر من حدیث النبی الأنور للمناوی، تمام کتبِ فہارس مثلاً فہرس مسند احمد، فہرس صحیح البخاری وغیرہ

پانچواں طریقہ:

حدیث میں موجود کسی صفت کی بنا پر تخریج کرنا، یعنی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے لیکن پہلے چاروں طریقوں سے اس پر اطلاع ممکن نہیں لیکن اس مطلوب حدیث میں کوئی ایسی صفت ہے جو آپ کو یاد ہے مثلاً وہ حدیث قدسی ہے یا متواتر ہے یا مشہور ہے یا مرسل تو ایسی صورت میں اس صفت پر لکھی گئی کتب میں وہ حدیث تلاش کی جائے گی۔

فائدہ:

اس طریقے سے اگر صفت یاد ہے تو بغیر مشقت کے مطلوبہ حدیث تک پہنچا جا سکتا ہے۔اس طریقہ پر لکھی گئی کتب:

(۱)المراسیل لابی داود(۲)الازھار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ للسیوطی(۳)المقاصد الحسنۃ للسخاوی

(۴)الاتحافات السنیۃ فی الأحادیث القدسیۃ للمدنی(۵) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ لابن عراق مکتبہ شاملہ اور انٹرنیٹ سے تحقیق کرنا یہ جدید آلات ہیں جن سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے لیکن اصل سے مراجعت ضرور کر لینی چاہئے۔افسوس کہ بعض لوگ اس کو مطعون گردانتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ پہلے کتب قلمی ہوا، کرتی تھیں اہل علم انھیں سے فائدہ اٹھاتے تھے، پھر کتب پرنٹ ہونے لگیں، اہل علم پرنٹ کی ہوئی کتب سے فائدہ اٹھانے لگے، بس اسی طرح اب یہ کتب مکتبہ شاملہ میں یونی کوڈ یا پی ڈی ایف وغیرہ کی صورت میں آرہی ہیں، ان سے بھی فائدہ اٹھانا ویسے ہی ہے جیسے پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانا ہے والحمد للہ۔ اللہ تعالی ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، جو اپنا سرمایہ دینی علوم کو جدید سے جدید انداز میں نشر کرنے پر صرف کر رہے ہیں اور پوری دنیا کو گھر بیٹھے فری دینی کتب مہیا کر رہے ہیں، اور جن آلات کو آل شیطان یہود و ہنود گمراہیوں کے لئے استعمال کر رہے ہیں، اہل علم انھیں آلات کو دین کی سربلندی لئے کیوں نہ استعمال کریں؟ یاد رہے پرنٹ کتب پر کوئی بھی انگلی نہیں اٹھاتا، اسی طرح پی ڈی ایف اور یونیکوڈ کتب پر بھی انگلی نہیں اٹھانی چاہئے۔ جس طرح پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں، اسی طرح شاملہ اور نیٹ سے فائدہ اٹھانے والے بھی نہایت کم لوگ ہیں، دونوں طرز کی کتب سے فائدہ اٹھانے میں محنت، جستجو، دلچسپی اور لگن چاہئے، ورنہ اکثر لوگ نہ پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ شاملہ اور نیٹ۔**فافھم**

تخریج لکھنے کے اصول:

تخریج مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے اور اس کو لکھتے وقت درج ذیل قواعد کو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے: ا:سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب سے حدیث ملی ہے، پہلے کتاب کا نام لکھا جائے، مثلا صحیح البخاری، پھر لکھا جائے کہ صحیح بخاری کی کس کتاب میں حدیث ہے، مثلا کتاب الایمان، پھر لکھا جائے کہ کتاب الایمان کے کس باب میں حدیث ہے، مثلا باب فلان۔۔ پھر کتاب کا جزو نمبر اور صفحہ لکھا جائے، مثلاج ا ص ۲۲،اور پھر اس حدیث کا نمبر لکھا جائے اگر میسر ہو اور کتاب کا طبع لکھا جائے مثلا ط: دارالسلام الریاض۔ تخریج میں یہ سب سے اہم طریقہ ہے، اس سے قاری بڑی

جلدی اصل کتاب میں موجود حدیث تک پہنچ سکتا ہے۔ اس طریقے میں تخریج کو اکٹھا اس طرح لکھا جائے گا: صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فلان، ج۱ص ۲۲،ح:۳۳،ط: دارالسلام الریاض)

۲: مختصر اندازِ تخریج یہ ہے کہ حدیث جس کتاب میں ہے، اس کا نام لکھ کر حدیث کا نمبر یا صفحہ اور جلد لکھ دی جائے، مثلا: [1]

۳: تخریج لکھتے وقت کتب حدیث کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، مثلا کتبِ ستہ کے مراتب یہ ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن النسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ۔ تخریج لکھتے وقت کتاب کے مرتبے کے مطابق لکھا جائے گا۔

۴: اگر کوئی حدیث مسند احمد اور کتبِ ستہ میں ہے تو اصول کی پیروی کرتے ہوئے پہلے مسند احمد کا نام لکھا جائے۔ البتہ کتبِ ستہ کے تداول اور شہرت کے اعتبار سے کتب ستہ کے بعد بھی مسند کا حوالہ لکھا جا سکتا ہے۔

۵: اگر ایک حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے تو لکھتے وقت دونوں کا حوالہ دینا ضروری ہے، کیونکہ جو حدیث دونوں میں ہے، وہ صحیح حدیث کے اعلی ترین درجے پر فائز ہے، جس کو متفق علیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض مخرجین اس اہم اصول سے ناواقف ہیں اور متفق علیہ حدیث پر صرف بخاری یا صرف مسلم کا نام لکھتے ہیں، حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔ مثلا" **عذاب القبر حق**" پر صحیح بخاری لکھنا غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، اس پر حوالہ متفق علیہ لکھنا چاہیئے۔

۶: تخریج کرتے وقت سب سے پہلے حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھنی چاہیئے، اگر حدیث ان دونوں کتب یا کسی ایک میں ہے تو ہمیں یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے، پھر تفصیلی تخریج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۷: صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث کی تخریج کے وقت "**اسنادہ صحیح**" یا" **حدیث صحیح**" لکھنے کی ضرورت نہیں

{1} صحیح البخاری ح:۳۳

. بلکہ اس حدیث کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونا ہی اس کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے۔ لیکن اگر کوئی صحتِ حدیث کے درجے کی تعیین کی خاطر لکھ دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں جس طرح امام البانی نے بعض کتب میں اور استاد محترم شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے مسند سراج کی تحقیق میں یہ انداز اپنایا ہے۔

۸: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ جتنی بھی کتب کے مصنفین نے اپنی کتب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے، کسی حدیث کا ان کتب میں ہونا صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ان کتب میں بے شمار ضعیف اور غیر ثابت روایات موجود ہیں، نیز ان کتب کی صحت پر اتفاق بھی نہیں ہے۔ وہ کتب درج ذیل ہیں، **صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المنتقی لابن الجارود، المختارۃ لضیاء المقدسی، مستدرک حاکم** وغیرہ۔ ان میں اور دیگر کتبِ حدیث میں موجود حدیث کو لکھنے سے پہلے تحقیق کریں گے جو محدثین کے قواعد کے مطابق صحیح ہو گی، اسے صحیح

تسلیم کیا جائے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ مذکورہ بالا کتب میں موجود احادیث ان کے مؤلفین کے نزدیک صحیح ہیں اور تخریج میں ان کی تصحیح کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف کرنا درست ہے۔

۹: حدیث کی تحقیق و تخریج کرتے وقت اگر کوئی روایت ضعیف ثابت ہو جائے تو سببِ ضعف بھی لکھنا چاہیے۔ بعض تاجر قسم کے محقق یہ تو لکھتے ہیں ''ضعیف'' لیکن وجہ ضعف نہیں لکھتے اور بعض نااہل محققین مختلف علماء کی آراء لکھ دیتے ہیں اور راجح تحقیق کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے مثلاً اس حدیث کو حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے اور دکتور بسام نے ضعیف کہا ہے، جبکہ شیخ محمد ناصر الدین نے حسن کہا ہے!! یہ انداز انتہائی غلط ہے اس سے قاری کا ذھن منتشر ہو جاتا ہے کہ اب کیا کروں؟ کس کی بات مانوں؟

۱۰: ہمارے ہاں عموماً ''**مشکاۃ**'' ''**بلوغ المرام**'' اور ''**ترغیب و ترھیب**'' وغیرہ کے حوالے بھی دیے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً: حدیث تو ''**المنتقی**'' لابی البرکات ابن تیمیہ میں ہے۔ مگر حوالہ ''**نیل الأوطار**'' کا دیا جاتا ہے۔

۱۱: تخریج کا معنٰی یہ ہے کہ حدیث کو کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے جس کے مؤلف نے اس حدیث کو اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو اور ساتھ ہی حدیث کا درجہ بھی بیان کیا جائے، یعنی کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ وغیرہ یہ صحیح ہے کہ حدیث پر حکم لگانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے مگر محدثینِ عظام کا لگایا ہوا حکم نقل کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔[1]

) [1]القول المقبول ص:۱۶). [2] (المستدرک :ج۳ص۵۷). [3] (تقدیم مقالات اثریہ ص:۴۴)

اصولِ تخریج و تحقیق پر کتب:

اس فن میں جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) **الموجز فی المراجع۔۔۔ للدکتور محمود محمد**

(۲) **تحقیق المخطوطات بین النظریۃ والتطبیق، للدکتور فھمی سعد والدکتور طلال مجذوب۔**

(۳) **تحقیق نصوص التراث فی القدیم والحدیث، للدکتور نور الدین**

(۴) **منھج تحقیق المخطوطات للطباع**

(۵) **المنھاج فی تألیف البحوث وتحقیق المخطوطات**

(۶) **ضبط النص والتعلیق علیہ للدکتور بشار عواد**

(۷) قواعد تحقیق المخطوطات للدکتور صلاح الدین المنجد

(۸) تحقیق النصوص و نشرها للدکتور عبدالسلام محمد هارن

(۹) کیف تحقق مخطوطا؟ للمبتدئیں

(۱۰) طرق تخریج حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

چھ أمہات(کتب)

اس وصف کا اطلاق ان چھ کتابوں پر ہوتا ہے:

☆ صحیح بخاری ☆ صحیح مسلم

☆ سنن نسائی ☆ سنن ابی داؤد

☆ سنن ترمذی ☆ سنن ابن ماجہ

☆ صحیح بخاری:

اس کے مؤلف نے اس کا نام ''**الجامع الصحیح**''[1] رکھا تھا۔ اسے چھ لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا گیا ہے۔

امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کے جمع کرنے اور اس کی تہذیب و تنقیح اور صحت کی جانچ پڑتال میں بہت ہی مشقت اٹھائی۔ یہاں تک کہ آپ اس میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہ کرتے جب تک غسل کرکے دو رکعت نماز نہ پڑھ لیتے' پھر اس حدیث کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے۔

اس میں کسی مسند حدیث کو درج نہیں کیا سوائے ان احادیث کے جو متصل سند کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہوں۔ اور اس کے راویوں میں '' عدالت اور تام الضبط ہونے کی شروط متوفر ہوں۔ آپ نے اپنی اس تالیف کو سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کیا۔ پھر اسے امام احمد بن حنبل' یحیی بن معین' علی المدینی رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے مشائخ پر پیش کیا۔ جنہوں نے اس کی صحت کی گواہی دی، اور اسے بہت اچھا کہا۔

ہر زمانہ کے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم میں اس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ اسلام کی کتابوں میں سب سے جلیل القدر اور کتاب اللہ کے بعد سب سے افضل کتاب ہے۔" اس میں متکرر احادیث کو ملا کر کل تعداد "۷۳۹۷" بنتی ہے۔ ان میں سے (۲۶۰۲) حدیثیں مکرر ہیں۔ جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ:

ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ الجعفی (مولاہم) بخاری۔ آپ فارسی الاصل تھے۔

آپ ماہِ شوال سن ۱۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ پیدائشی یتیم تھے۔ والدہ کی گود میں پرورش پائی۔ ۲۱۰ ہجری میں حدیث کی طلب میں سفر شروع کیا۔ مختلف شہروں کا چکر لگاتے رہے۔ شام' مصر' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' بغداد گئے۔

آپ کا حافظہ بہت ہی قوی تھا۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک بار کتاب میں دیکھتے تھے تو حفظ کر لیتے۔ صرف ایک نظر کتاب میں دیکھنے سے۔ آپ عالم اور زاہد' متقی اور پرہیز گار تھے۔ امراء اور سلاطین سے دور رہنے والے تھے۔ بہادر اور سخی تھے۔ آپ کے زمانہ اور بعد کے علماء نے آپ کو بہت تعریف کی ہے۔ امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "خراسان نے آپ جیسا کوئی آدمی پیدا ہی نہیں کیا۔"

ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

" نیلے آسمان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جاننے والا اور انہیں یاد کرنے والا محمد بن اسماعیل بخاری سے بڑھ کر کوئی نہیں۔"

آپ فقہ میں مجتہد تھے۔ آپ بہت ہی عجب باریک بینی سے احادیث سے استدلال کرتے تھے۔ جس پر آپ کی صحیح کے تراجم گواہ ہیں۔ آپ کا انتقال خراسان سے دو فرسخ کے فاصلہ پر " خرتنک " شہر میں ' عید الفطر کی رات سن ۲۵۶ ہجری میں، تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں بہت سا علم اپنے پیچھے چھوڑا۔

رحمہ اللہ تعالیٰ وجزاہ عن المسلمین خیراً۔

☆ صحیح مسلم:

یہ مشہور کتاب ہے جسے مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ اس میں جو آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث تھیں' جمع کی ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اس کتاب کی تالیف میں آپ انتہائی احتیاط' تقویٰ' ورع اور معرفت کی اس راہ پر چلے ہیں جو محدود دے چند لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔ آپ (موضوع کے لحاظ سے) مناسب احادیث کو ایک جگہ جمع کرتے۔ اور ابواب کے لحاظ سے مرتب حدیث کی

سندیں اور ان کے الفاظ بیان کرتے۔ لیکن آپ تراجم نہیں بیان کرتے، یا تو حجم کے بڑھ جانے کے خوف سے۔ یا کسی اور وجہ سے۔ اس کے تراجم بہت سارے شارحین نے لکھے ہیں' ان میں سب سے بہتر اور اچھے تراجم" امام نووی رحمہ اللہ "کے ہیں۔ مکرر حدیث کو ملا کر احادیث کی تعداد ۷۲۷۵ ہے۔ مکرر حدیث کو چھوڑ کر باقی تعداد ۴۰۰۰ رہ جاتی ہے۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحت کے لحاظ سے یہ بخاری کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ بخاری اور مسلم کے درمیان تقابل پر یہ شعر کہا گیا ہے:

تشاجر القوم فی البخاری ومسلم لدی و قالوا: أی ذین تقدم

فقلت لقد فاق البخاری صحة کما فاق فی حسن الصناعة مسلم

امام مسلم رحمہ اللہ:

آپ کا پورا نام: ابو الحسین مسلم بن حجاج القشیری نیشاپوری ہے۔ آپ ۲۰۴ ہجری میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ حدیث کی تلاش میں شہروں کا چکر لگایا، آپ حجاز' شام' عراق اور مصر گئے۔ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور تشریف لائے تو ان کی صحبت اختیار کی، اور ان کے علوم کا مطالعہ کیا' اور ان کے ڈھنگ پر چلے۔ محدثین اور دوسرے علماء نے ان کی تعریف کی ہے۔

آپ کا انتقال ۲۶۱ ہجری میں نیشاپور میں ہوا۔

آپ نے اپنی تصنیفات میں بہت سا علم اپنے پیچھے چھوڑا۔

رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وجزاہ عن المسلمین خیراً۔

دو فائدے:

پہلا فائدہ...: امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ نے اپنی صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تمام صحیح احادیث کو جمع نہیں کیا۔ بلکہ دوسری کتب احادیث میں ایسی صحیح روایات موجود ہیں' جو ان دونوں جلیل القدر اماموں نے روایت نہیں کیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ کا قصد صحیح احادیث میں سے جملہ جمع کی جائیں۔ جیسا کہ مصنف فقہ میں کرتا ہے' اپنے مسائل میں سے جملہ کو جمع کرتے ہیں۔ ایسے نہیں کہ وہ تمام مسائل کا احاطہ کرتے ہوں۔ لیکن جب حدیث کو یہ دونوں امام ترک کر دیں یا ان میں سے کوئی ایک ترک کر دے' اس کے باوجود کہ اس حدیث کی سند میں ظاہری طور پر صحت ہے، اور باوجود کہ وہ حدیث اپنے باب میں اصل ہے (اور ان دونوں نے اسے ترک کیا ہے)۔ اور اس کی نظیر کسی اور حدیث کی بھی تخریج نہیں کی، اور نہ ہی اس کے قائم مقام کوئی حدیث لائے ہیں، تو ان کے حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اگر اس حدیث کو روایت کیا ہے' تو اس میں کسی علت پر مطلع ہوئے ہوں۔

اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انہوں نے بھول کر اسے ترک کر دیا ہو۔ یا پھر طوالت سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا ہو۔ یا ان کی رائے یہ ہو ان کی ذکر کردہ دوسری حدیث اس کی جگہ کافی ہے۔ یا اس کے علاوہ کوئی سبب بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرا افائدہ...: علماء کرام رحمہ اللہ کا اتفاق ہے کہ "صحیح بخاری اور مسلم" حدیث میں لکھی گئی سب سے صحیح ترین کتب ہیں، جو انہوں نے متصل اسناد بیان کی ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں امام صرف صحیح حدیث پر ہی اتفاق کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں: " ان دونوں کے جمہور متون کے بارے میں محدثین قطعی علم رکھتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہی ہیں۔

بعض حفاظ نے "شیخین رحمہم اللہ (یعنی امام بخاری اور مسلم) پر ان احادیث کی وجہ سے تنقید کی ہے' جو اس درجہ سے کم ہیں جس کا انہوں نے التزام کیا ہے۔ ان کی تعداد (۲۱۰) دو سو دس [احادیث] ہے۔ ان میں سے بتیس ان دونوں کے درمیان مشترک ہیں۔ اور اٹھتر (۷۸) احادیث میں امام بخاری اور سو احادیث میں امام مسلم رحمہم اللہ منفرد ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [1]

" اور وہ جمہور احادیث جن کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ان کو صحیح کہنے میں نکیر کی گئی ہے' ان میں امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہی اپنے مخالف پر راجح ہو گا۔ بخلاف امام مسلم رحمہ اللہ کے، بیشک آپ کی تخریج کردہ احادیث میں نزاع کیا گیا ہے' اور اس میں حق فریق مخالف کے ساتھ ہے ۔ اور اس کے لیے مثال اس حدیث سے دی ہے:

((خلق اللہ التربۃ یوم السبت۔))[2]

" اللہ تعالیٰ نے خاک کو ہفتہ کے دن پیدا کیا۔"

اور نماز کسوف والی حدیث:

((صلاۃ الکسوف بثلاث رکوعات و أربع۔))[1]

" نماز کسوف میں تین اور چار رکوع ہیں۔"

ان آئمہ پر تنقید کے دو جواب اور بھی دیے گئے ہیں۔ ایک مجمل ہے اور دوسرا مفصل۔

(۱) مجمل جواب: ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری کے مقدمہ میں فرماتے ہیں: [2]

''امام بخاری اور پھر مسلم رحمہم اللہ ان کے اہل زمانہ، اور اس کے بعد کے اس فن صحیح اور معلل کی معرفت کے آئمہ پر مقدم کرنے میں کوئی شک نہیں ہے۔'' فرماتے ہیں: '' ان دونوں پر تنقید کرنے والے کے فہم کلام کے اعتبار سے اس کا قول ان کی تصحیح کے معارض ہوگا، اور اس بارے میں ان دونوں اماموں کی دوسروں پر تقدیم میں کوئی شک نہیں ہے۔ سو اس طرح یہ اعتراض جملہ طور پر ختم ہو جاتا ہے۔''

(۲) مفصل: اس کا جواب ابن حجر رحمہ اللہ نے - فتح الباری کے - مقدمہ میں صحیح بخاری کے حوالہ سے ہر ایک حدیث کا مفصل جواب دیا ہے۔ اور رشید عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے، جس میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ پر تنقید کرنے والوں کا ایک ایک حدیث کا جواب دیا ہے۔

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ مصطلح الحدیث میں ''شرح الفیہ'' میں فرماتے ہیں: '

' انہوں نے ایک منفرد کتاب ''صحیحین'' کی ان احادیث پر لکھی ہے ' جن کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اور ان کا جواب بھی دیا ہے۔ جو اس مسئلہ میں زیادہ علم حاصل کرنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ اس کتاب کو حاصل کرے، اے میں بہت سے فوائد اور اہم باتیں ہیں۔

☆ **سنن نسائی:**

امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''**السنن الکبری**'' لکھی، اور اس میں صحیح اور معلول کو جمع کیا۔ پھر اسے ''**السنن الصغری**'' میں مختصر کیا۔ اور اس کا نام ''**المجتبی**'' رکھا۔ اور اس میں وہ احادیث جمع کیں جو ان کے نزدیک صحیح ہیں۔ اس سے مقصود امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات احادیث ہیں۔ ''مجتبی'' میں ضعیف احادیث اور مجروح راوی بہت کم ہیں۔ اس کا درجہ صحیحین کے بعد آتا ہے۔

راویوں کے اعتبار سے سنن نسائی سنن ابوداؤد اور ترمذی پر مقدم ہے۔ کیونکہ آپ اپنی اس تصنیف میں راویوں کے بارے میں بہت شدت سے کام لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' کتنے ہی راوی ایسے ہیں جن سے ابو داؤد اور ترمذی رحمہم اللہ نے روایت نقل کی ہے ' لیکن امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے گریز کیا ہے۔ بلکہ صحیحین کی ایک جماعت سے بھی روایت کرنے سے گریز کیا ہے۔''

جملہ طور پر ''مجتبی'' میں نسائی کی شروط صحیحین کے بعدی قوی ترین شروط ہیں۔

امام نسائی رحمہ اللہ

: آپ کا نام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی (النسائی) ہے، اسے خراسان کے مشہور شہر "نساء" کی نسبت سے "النَّسوي" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ۲۱۵ ہجری میں نساء(نیشاپور) میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث کے لیے سفر کیے۔ اہل حجاز' خراسان' شام' جزیرہ وغیرہ کے لوگوں سے حدیث سنی۔ طویل مدت تک مصر میں مقیم رہے۔ وہاں پر آپ کی تصانیف کو شہرت ملی۔ پھر دمشق کی طرف کوچ کیا۔ وہاں پر بڑی آزمائش کا شکار ہوئے۔

سن ۳۰۳ ہجری میں بیانوے برس کی عمر میں، فلسطین کے شہر رملہ میں انتقال ہوا۔ آپ نے حدیث اور علل میں بہت سی تالیفات چھوڑی ہیں۔

رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وجزاہ عن المسلمین خیراً۔

☆سنن ابی داؤد:

سنن ابو داؤد میں احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو تک پہنچتی ہے' جنہیں اس کے موئف نے پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے۔ اور اس میں احکام کی احادیث پر ہی اقتصار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے: " میں نے اس کتاب میں صحیح' اس کے مشابہ اور قریب تر احادیث کو ہی ذکر کیا ہے۔ اور میری اس کتاب میں جو کوئی اگر شدید "وهن" ہو' تو اسے میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور اس میں کسی بھی متروک الحدیث سے کوئی بھی روایت نہیں ہے۔

اور جس کے بارے میں میں کچھ نہ کہوں وہ صالح ہے۔ اور اس کتاب میں میں نے جو روایات جمع کی ہیں' ان میں بعض احادیث بعض سے زیادہ صحیح ہیں۔ اور اکثر مشاہیر کی روایات ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صالح" سے ان کی مراد یعنی" اعتبار کے قابل ہے" حجت کے قابل نہیں۔ سو اس صورت میں یہ ضعیف کو بھی شامل ہے"۔ لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: "جس حدیث پر میں خاموش رہوں' وہ حسن ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو اس میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا کہ صالح سے مراد "احتجاج" کے قابل ہونا ہے۔ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

" اس بنا پر ہم جو اس کتاب میں مطلق طور پر مذکور پاتے ہیں' جو صحیحین میں سے کسی ایک میں نہیں ہے' اور نہ ہی کسی ایک نے اس صحیح ہونے کا کہا ہے' تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث ابو داؤد کے نزدیک حسن ہے۔"

ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ابو داؤد جب باب میں کوئی اور حدیث نہ پاتے تو ضعیف حدیث کی بھی تخریج کرتے کیونکہ لوگوں کی رائے کی نسبت ضعیف حدیث ان کے ہاں زیادہ قوی ہے۔" سنن ابی داؤد" نے فقہاء میں شہرت پائی۔ اس لیے کہ اس میں احکام کی احادیث جمع ہیں" ۔ اس کے موئف کہتے ہیں: انہوں نے یہ کتاب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر پیش کی، انہوں نے اسے عمدہ کہا' اور اس کی تعریف کی۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس کی "تہذیب" کے مقدمہ میں کافی تعریف کی ہے۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ:

آپ کا نام: سلیمان بن اَشعث بن اسحاق الاَزدی سجستانی ہے۔

آپ بصرہ کے گاؤں ''سجستان'' میں سن ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے۔ حدیث کی طلب میں سفر کیے۔ اور اہل عراق' شام' مصر' اوراہل خراسان سے حدیث لکھی۔ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہم کے دوسرے کئی شیوخ سے حدیث روایت کی۔ ع

لماء کرام نے آپ کی توصیف کی' اورآپ کو تام الحفظ' پختہ فہم اور ورع سے موصوف کیا ہے۔

سن ۲۸۵ ہجری میں بصرہ میں تراسی برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ نے اپنی تآلیفات میں بہت سارا علم چھوڑا ہے۔

رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وجزاہ عن المسلمین خیراً۔

☆سنن ترمذی:

یہ کتاب ''جامع الترمذي '' کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے فقہی ابواب پر تالیف کیا، اور اس میں صحیح، حسن اور ضعیف احادیث کو جمع کیا ہے' اور ہر ایک کا درجہ اپنی جگہ پر بتا دیا۔ ضعف کی وجہ بھی بیان کر دی ہے۔ اور یہ بتانے کا بھی اہتمام کیا کہ اہل علم صحابہ یا دوسرے لوگوں میں سے کس نے قبول کیا ہے۔ اس کے آخر میں علل پر ایک کتاب مرتب کی ہے' جس میں اہم فوائد کو بیان کر دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں: '' اور اس کتاب میں احادیث میں سے جو کچھ بھی ہے' اس پر عمل ہو رہا ہے' اور بعض علماء نے اسے قبول کیا ہے' سوائے دو حدیثوں کے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث:

((أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جمع بین الظھر والعصر بالمدینة والمغرب و العشاء من غیر خوف ولا سفر ۔))[1]

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی اور مغرب اور عشاء کی نمازوں کو بغیر کسی خوف اور سفر کے جمع کیا۔''

اور دوسری حدیث:

((إذا شرب فاجلدوہ ' فإن عاد في الرابعة فاقتلوہ۔))[2]

’’جب کوئی شراب پیئے تو اسے کوڑے لگاؤ‘ اگر چوتھی بار پیئے تو اسے قتل کر دو۔‘‘

اس کتاب میں بہت سے ایسے فقہی اور حدیثی فوائد جمع ہوئے ہیں جو اس کے علاوہ

[1]رواہ مسلم (۷۰۵) کتاب الصلاۃ؛ ۵۔ باب جواز الجمع بین الصلاۃ في السفر وانظر: البخاری (۵۴۳)۔کتاب مواقیت الصلاۃ‘ ۱۲۔باب تأخیر الظھر إلی العصر۔و رواہ الترمذي (۱۸۷) کتاب الصلاۃ ۲۴؛ باب ماجاء في الجمع بین الصلاتین في الحضر۔ میں کہتا ہوں: بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مقتضی کے مطابق لیا ہے؛ اور ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کے مابین مریض کے لیے جمع کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا: ’’آپ چاہتے تھے کہ آپ کی امت پر حرج نہ ہو۔‘‘ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جب بھی امت کو جمع کے ترک کرنے میں حرج لاحق ہو رہا ہو تو اس وقت جمع بین الصلاتین جائز ہو جاتا ہے۔جب کہ شراب نوش کو چوتھی بار پینے پر قتل کرنے والی حدیث کو بعض علماء نے قبول کیا ہے۔ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ یہی کہتے ہیں: مئے نوش کو چوتھی بار ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔‘‘ جبکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’جب اس کے قتل کی ضرورت محسوس ہو تو اسے قتل کیا جائے؛ مثلاً کہ ایسا کئے بغیر لوگ شراب پینے سے باز نہ آرہے ہوں۔‘‘ پس اس صورت میں ان احادیث پر ترک عمل پر کوئی اجماع باقی نہ رہا۔‘‘ [2] رواہ الترمذي (۱۴۴۴) کتاب الحدود ۱۵؛ باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوہ ‘من عاد في الرابعة فاقتلوہ۔

دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ جب موٴلف نے یہ کتاب علماء حجاز‘ عراق اور خراسان پر پیش کی تو انہوں نے اسے بہت مستحسن کہا۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’جان لیجیے کہ ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں صحیح‘ حسن ‘اور غریب حدیث جمع کی ہیں۔ اور بعض غرایب جن کی تخریج آپ نے کی ہے‘ ان میں سے بعض منکر ہیں۔ خاص کر جو کتاب ‘الفضائل’ میں ہیں۔ لیکن غالب طور پر آپ اسے بیان کر دیتے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ آپ نے کسی متہم بالکذب‘ جس پر تہمت پر اتفاق ہو‘ منفرد اسناد سے روایت کی ہو۔ ہاں ایسا ضرور ہے کہ کبھی آپ بد حافظہ سے یا جس پر ’’وھن‘‘ غالب آگیا ہو‘ سے روایت کرتے ہیں‘ اور غالباً اس کو بیان بھی کر دیتے ہیں‘ اس پر خاموش نہیں رہتے۔‘‘

امام ترمذی رحمہ اللہ:

آپ کا نام: ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ السلمی الترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

آپ مدینہ ترمذ (دریائے جیحون کے کنارے پر ایک شہر ہے) میں سن ۲۰۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور حدیث کی طلب میں شہروں کے چکر لگائے‘ اہل حجاز‘ عراق‘ اور خراسان سے حدیث کی سماعت کی۔

آپ کی امامت اور جلالت پر لوگوں کا اتفاق ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری آپ پر اعتماد کرتے تھے اور آپ سے حدیث لیتے تھے۔ اس کے باوجود کہ امام بخاری آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ترمذ میں ہی سن ۲۷۹ ہجری میں ستر سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے علل اور دوسرے موضوعات پر کئی فائدہ مند کتابیں لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے۔ اور انہیں بہترین بدلہ دے۔

☆سنن ابن ماجہ:

اس کے مؤلف رحمہ اللہ نے اسے ابواب کی صورت میں مرتب جمع کیا ہے' اس کی احادیث کی تعداد ۴۳۴۱ تک پہنچتی ہے۔ متاخرین کے ہاں مشہور یہ ہے کہ حدیث کی بنیادی چھ کتابوں میں اس کا چھٹا نمبر ہے، صرف یہ کہ اس کا رتبہ سنن سے کم ہے۔ یعنی سنن نسائی' اَبوداوٗد' اور ترمذی۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے جس حدیث میں ابن ماجہ منفرد ہوں' وہ غالب طور پر ضعیف ہوتی ہے سوائے ابن حجر رحمہ اللہ کے۔ وہ فرماتے ہیں: میرے مطالعہ وہ علم کے مطابق یہ معاملہ مطلقاً ایسے نہیں ہے۔ لیکن جملہ طور پر اس میں ضعیف احادیث موجود ہیں۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس میں منکر احادیث ہیں' اور بہت کم موضوع بھی ہیں۔"

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بیشک آپ متہم بالکذب اور احادیث چور لوگوں سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور بعض اوقات کوئی حدیث صرف آپ کی ہی روایت سے پہچانی جاتی ہے (باقی محدثین کے ہاں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا)۔" آپ اکثر احادیث میں باقی اصحاب کتب ستہ کے ساتھ شریک ہیں۔ یا تو سب کے ساتھ یا بعض کے ساتھ۔ استاد محمد فؤاد عبدالباقی کی تحقیق کے مطابق ۱۳۳۹ احادیث کی روایت میں آپ منفرد ہیں۔

☆ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ:

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (ساکن ھا کے ساتھ' یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ۃ" کے ساتھ ہے) **الربعي مولاہم قزويني**۔ آپ عراق کے علاقہ قزوین میں سن ۲۰۹ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور حدیث کی طلب میں: رے' بصرہ' کوفہ اور بغداد، شام' مصر اور حجاز کا سفر کیا۔ اور وہاں کے بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا۔ سن ۲۷۳ ہجری میں انتقال ہوا۔ اور آپ کی کئی ایک فائدہ مند تصنیفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور مسلمانوں کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ دے۔

☆مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:

محدثین نے صحیحین اور سنن کے بعد تیسرا درجہ مسانید کو دیا ہے۔ مسانید میں بہت بڑے قدر اور نفع والی مسند "مسند اَحمد بن حنبل" ہے۔ قدیم اور جدید ہر دور کے علماء نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ یہ سنن کی کتابوں میں سب سے جامع اور بڑا ذخیرہ ہے' جس کی ہر مسلمان کو اپنے دین اور دنیا کے امور میں ضرورت ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مسانید میں سے کوئی بھی کتاب مسند احمد کے برابر نہیں ہو سکتی' نہ ہی کثرت احادیث میں اور نہ ہی حسن سیاق میں۔

حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرے والد نے مجھے' ابو صالح اور عبد اللہ کو اکٹھا کیا' اور ہمیں یہ مسند پڑھ کر سنائی۔ ہمارے علاوہ کسی اور نے نہیں سنا۔ اور کہا: "میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ احادیث کے ذخیرہ میں سے جمع کیا ہے۔ جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو جائے تو چاہیے کہ وہ اس کتاب کی طرف رجوع کریں' اگر اس میں پالیں تو بہتر' اگر اس میں وہ حدیث موجود نہ ہو تو وہ حجت نہیں ہو سکتی۔"

لیکن امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان کا یہ قول غالب طور پر ہے۔ ورنہ ہمارے پاس ان سے قوی اسناد والی احادیث صحیحین اور سنن اور اجزاء میں ایسی ہیں جو مسند میں نہیں ہیں۔" اور اس مسند میں ان کے بیٹے عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ احادیث زیادہ کی ہیں جو اصل مسند میں اس کے باپ کی روایت سے نہیں ہیں۔ انہیں زوائد عبد اللہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ابو بکر القطیعی نے بھی کچھ احادیث زیادہ کی ہیں' جو عبد اللہ اور اس کے باپ کی

احادیث کے علاوہ ہیں۔ مسند أحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کی تعداد چالیس ہزار ہے، ان میں سے مکرر کو حذف کرنے کے بعد تیس ہزار روایات باقی رہتی ہیں۔

مسند أحمد کے بارے میں علماء کرام کی رائے:

مسند احمد کے بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

۱: اس میں جتنی بھی احادیث ہیں' سب صحیح ہیں۔

۲: اس میں صحیح' ضعیف' اور موضوع احادیث بھی ہیں۔ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ان میں سے انتیس احادیث کو موضوع کہا ہے۔ اور ابن عراقی نے ان کے علاوہ نو احادیث کو مزید موضوعات میں شمار کیا ہے۔ اور انہیں ایک کتابچہ (جزء) میں جمع کر دیا ہے۔

۳: اس میں صحیح اور ایسی ضعیف احادیث ہیں جو حسن کے قریب درجہ کی ہیں۔ البتہ کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ یہ قول شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ذہبی، ابن حجر، اور امام سیوطی رحمہم اللہ کا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مسند میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط' سنن میں ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط سے زیادہ قوی ہیں۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ایسے لوگوں سے روایت کی ہے' جن سے روایت کرنے میں مسند میں اعراض کیا گیا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شرط لگائی ہے ان کے نزدیک جو لوگ جھوٹ میں معروف ہوں' ان سے روایت نہ کی جائے۔ اگرچہ اس میں کچھ ضعیف روایات تھیں' پھر ان کے بیٹے عبد اللہ اور ابو بکر قطیعی نے جو زائد احادیث درج کیں' ان میں کافی احادیث موضوع

بھی ہیں۔ تو جس آدمی کو حقیقت حال کا علم نہیں ہے وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ مسند احمد کی روایات میں سے ہے۔" شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کی بنا پر ان تینوں آراء میں جمع ممکن ہے۔ سو جس نے کہا: اس میں صحیح اور ضعیف ہیں' یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ جو بھی احادیث اس میں ہیں وہ حجت ہیں۔ کیونکہ ضعیف جب حسن لغیرہ کے مرتبہ کو پالے تو وہ حجت ہو جاتی ہے۔ اور جس نے یہ کہا کہ: اس میں موضوع احادیث بھی ہیں۔" تو اسے عبداللہ اور ابو بکر قطیعی کی زیادات پر محمول کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی ہے' جس کا نام رکھا ہے: " القول المسدد فی الذب عن المسند" ۔ اس میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن پر امام عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے' اور اس میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی "الذیل الممہد" میں ذکر کردہ چودہ احادیث کے علاوہ پندرہ حدیثوں کا اضافہ کیا ہے۔ علماء نے مسند پر تصنیف کا بہت کام کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے اس کا اختصار کیا ہے' بعض نے شرح اور بعض نے تفسیر کی ہے' اور بعض نے اسے ترتیب دی ہے۔ ان میں سب سے بہترین کام " **الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی** " ہے۔ جسے امام عبد الرحمن البناء المعروف ساعاتی نے مرتب کیا ہے۔ انہوں نے اس کی سات اقسام بنائی ہیں: ۱-: پہلی قسم توحید اور اصول دین میں ہے' اس کے آخر میں قیامت اور احوال آخرت کا بیان ہے۔ اس کے ابواب کی بہت اچھی ترتیب دی ہے۔ اور اس پر ایک شرح لکھ کر اسے پورا کیا ہے' اور اس شرح کا نام رکھا ہے: "بلوغ الأمانی من أسرار الفتح الربانی" یہ نام اپنے مسمی کے مطابق ہے۔ فقہی اور حدیثی ہر دو لحاظ سے بہت ہی مفید ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سن ۱۶۴ ھجری میں "مرو" میں پیدا ہوئے۔ پھر آپ کو بغداد لایا گیا' ابھی آپ شیر خوار تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: آپ بغداد میں پیدا ہوئے' اور یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ حدیث کی طلب میں آفاق میں شہر شہر چکر لگایا۔ اور حجاز' شام' عراق' اور یمن میں اپنے زمانہ کے مشائخ سے احادیث سنی۔ اور سنت اور فقہ کا بہت بڑا اہتمام کیا۔ حتی کہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے آپ کو اپنا امام اور فقیہ شمار کیا ہے۔ آپ کے زمانہ اور بعد کے علماء نے آپ کی تعریف کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " میں عراق سے نکلا اور میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی عالم' زاہد' متقی اور افضل نہیں دیکھا۔

اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ' زمین میں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں۔ ابن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ارتداد کے دنوں میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اس دین کی مدد کی' اور آزمائش وفتنہ کے دنوں میں احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ذریعہ سے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فقہ' حدیث' اخلاص' ورع میں امامت احمد بن حنبل پر ختم ہوتی ہے۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ثقہ' امام اور حجت ہیں۔"

سن ۲۴۱ ہجری میں بغداد میں (۷۷) برس کی عمر میں وفات پائی۔ آپ نے اپنے پیچھے بہت سارا علم ' اور ایک پختہ منہج چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ دے۔

****

عالم اور متعلّم کے آداب

علم کا فائدہ اور ثمرہ یہ ہے کہ جو علم حاصل ہوا ہے ' اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ جو انسان اپنے علم پر عمل نہ کرے تو یہ علم اس پر وبال ہو گا، اور قیامت والے دن اس کے خلاف حجت ہو گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

((والقرآنُ حُجّةٌ لك أو عليك۔))[1]

"اور قرآن یا تمہارے حجت ہے یا تم پر حجت ہے۔" عالم اور متعلّم ان میں سے ہر ایک کے لیے آداب ہیں۔ جن کی رعایت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ان میں سے بعض آداب ان دونوں کے درمیان مشترک ہیں ' اور بعض ہر ایک قسم کیلئے خاص ہیں۔

مشترک آداب:

(۱)... اخلاص نیت: ان میں مشترک ادب یہ ہے کہ عالم اور متعلّم دونوں کی نیت اللہ تعالیٰ کی قربت کا حصول، اس کی شریعت کی حفاظت، لوگوں میں اس کی نشر و اشاعت ' اور ان سے اور امت سے جہالت کا خاتمہ ہو۔ جس نے علم شرعی کے حصول سے دنیا کے کچھ مقاصد حاصل کرنے کی نیت کی ' اس نے اپنے آپ کو بہت بڑی سزا کے لیے پیش کیا۔ حدیث نبوی میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَن تَعلَّمَ عِلْمًا ممّا يُبتَغى به وَجهُ اللّٰهِ عَزَّ وجَلَّ، لا يَتعَلَّمُه إلّا ليُصيبَ به عَرَضًا مِن الدُّنيا لم يَجِدْ عَرْفَ الجنَّةِ يومَ

[1]رواه مسلم (۲۲۳) كتاب الطهارة' ۱۔ باب الوضوء۔

القيامةِ۔))[1] " جس نے (وہ) علم سیکھا ' جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی تلاش کی جاتی ہے ' اس علم کو نہیں سیکھتا سوائے اس کے کہ وہ دنیا کے مقاصد حاصل کرے ' وہ روزِ قیامت جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ طلب العلمَ ليجاريَ به العلماءَ أو يماريَ به السفهاءَ ' أو يصرفَ به وجوهَ الناسِ إليه أدخله اللّٰهُ النارَ۔)) [2] (رواه الترمذي)

’’ جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء سے مناظرے کرے ‘ یا احمق (سادہ لوح) کو دھوکہ دے ‘ یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے ‘ تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ میں داخل کریں گے۔‘‘

(۲)... علم کے مطابق عمل...: جس نے علم کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے وہ علم بھی عطا فرمائیں گے جو اس نے ابھی تک نہیں سیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ (محمد:۱۷)

’’ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا اور پرہیز گاری عنایت کرتا ہے۔‘‘

[1]رواه أبوداؤد (٣٦٦٤) كتاب العلم ’١٢- باب في طلب العلم لغير الله تعالىٰ- وابن ماجة (٢٥٢) المقدمة ’٢٣:- باب الانتفاع بالعلم والعمل به- وأحمد (٣٣٨ح ٨٤٣٨) - وصححه ابن حبان (١/٢٧٩/٧٨) -وقال العقيلي في الضعفاء (٣/٤٦٦) : الرواية في ہذا الباب لينة- ورجح أبو زرعةفي ’’ العلل’’ (٢/٤٣٨) وقفه- [2] رواه الترمذی (٢٦٥٤) كتاب العلم؛ ٦- باب ما جاء فيمن يطلب الدنيا بعلمهن؛ وقال: غريب- وابن ماجة؛ (٢٦٠و ٢٥٩) المقدمة؛ ٢٣-باب الانتفاع بالعلم والعمل به- وحسنه الألباني في مجموع طرقه-

اور جس نے علم کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا‘ قریب ہے کہ اس کا یہ علم بھی اللہ تعالیٰ اس سے چھین لیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيْثَاقَهُمْ لَعنَّاہُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُواْ حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ﴾ (المائدہ:۱۳)

’’تو اُن کے عہد توڑنے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے۔‘‘

(۳) اچھے اخلاق اپنانا: جیسے وقار‘ کم سخنی‘ نرمیءگفتگو‘ لوگوں کے ساتھ بھلائی، تکلیف پر صبر، اور ان کے علاوہ وہ اخلاق جن پر شرعاًیا عرفِ سلیم میں تعریف کی جاتی ہو۔

(۴)... بد خلقی سے گریز: جیسے: جھوٹ‘ گالم گلوچ، تکلیف دینا، تند خوئی، بول چال اور ہیئت میں مذموم حقارت‘ اور ان کے علاوہ دیگر وہ اخلاق جنہیں شرعاًیا عرفاًبرا سمجھا جاتا ہو۔

خاص معلم کے آداب

(۱) نشر علم کا شوق:(حرص): ہر قسم کے وسیلہ سے علم پھیلانے کی کوشش کرے۔ اور جو اس سے علم کی بات طلب کرے‘ اسے خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے بتائے۔ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس علم کی نعمت اور نور پر رشک کرے۔ اور ایسی کھیپ تیار کرے جو اس سے علم کو وراثت میں حاصل

کریں۔ اور اسے چاہیے کہ علم چھپانے سے ہر طرح سے ڈرتا رہے۔ خصوصاً اس حال میں کہ لوگوں کو اس علم کے بیان کی ضرورت ہو' یا کوئی رہنمائی حاصل کرنے والا اس سے پوچھے [تو اسے وہ دینی اور علمی بات بتانا ایک ذمہ داری بن جاتا ہے]۔ حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من سُئِلَ عن علْمٍ علِمَهُ، ثُمَّ كتَمَهُ، أُلْجِمَ يومَ القيامَةِ بلِجامٍ من نارٍ۔)) [1]

"جس انسان سے علم کی کوئی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا ہو' پھر اس نے وہ بات چھپائی' اسے قیامت والے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔"

(۲) شاگردوں کی تکالیف پر صبر: ان کے برے معاملات' بدسلوکی اور دیگر تکلیف دہ باتوں پر صبر تاکہ وہ اللہ کے ہاں صابرین کا اجر وثواب پاسکے۔ اور انہیں (یعنی شاگردوں کو) بھی دعوت واصلاح کے ساتھ صبر اور لوگوں کی تکالیف برداشت کرنے کا عادی بنائے' اور انہیں حکمت کے ساتھ اس طرح ان کی غلطی پر تنبیہ کرے تاکہ اس کی ہیبت ان کے دلوں سے ختم نہ ہو، اور ان کو تعلیم دینے میں اس کی محنت ضائع نہ ہو۔

(۳) طلبہ کے لیے نمونہ: یہ کہ استاد اپنے طلبہ کے سامنے دین اور اخلاق کیساتھ اپنی شان کے مطابق ایک مثالی شخص بن کر رہے۔ کیونکہ معلم شاگردوں کے لیے ایک بڑی اہم مثالی شخصیت ہوتا ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں معلم کے دین اور اخلاق کا عکس ہوتا ہے۔

(۴) سہل طریقہ تدریس: استاد کو چاہیے کہ شاگردوں تک علم پہنچانے کے لیے آسان اور مختصر طریقہ اختیار کرے۔ اور جس چیز اس میں رکاوٹ بن رہی ہو' اس سے بچ کر رہے۔ بس عبارت کے بیان اور دلیل کے واضح ہونے کا اہتمام کرے۔ اور شاگردوں کے دلوں میں محبت کے بیج بوئے' تاکہ وہ ان کی قیادت کرسکے' اور وہ اس کے کلام کو سمجھ سکیں اور اس کی رہنمائی کو قبول کرسکیں۔

متعلّم کے خاص آداب

(۱) علم کے حصول میں محنت: بیشک علم جسمانی راحت کیساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ سو چاہیے کہ ہر اس راہ پر چلا جائے جس سے علم تک پہنچنا ممکن ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1]رواه أبوداؤد (٣٦٥٨) كتاب العلم' بابكراهية منع العلم۔ وابن ماجة (٢٦١) المقدمة '٢٤: باب من سئل عن علم فكتمه۔والترمذي (٢٦٤٩) كتاب العلم' 3باب ماجاء في كتمان العلم وأحمد (٢/٢٦٣/٧٥٦١)۔ وقال ابن كثير في ''التفسير'' (١/٢٠١) ورد من طرائق يشد بعضها بعضاً۔

((مَن سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فيه عِلْمًا، سَهَّلَ اللّٰهُ له به طَرِيقًا إلى الجَنَّةِ۔))[1]

"جو کسی ایسے راستے پر چلا جس میں وہ علم تلاش کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔"

(۲) اہم سے اہم تر سے شروع کرنا، جس کی دنیا اور دین کے امور میں ضرورت ہو: بیشک یہی حکمت ہے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ﴾ (البقرہ:۲۶۹)

" وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بیشک اُس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔"

(۳) طلب علم میں تواضع: اس طرح سے کہ کسی بھی شخص سے فائدہ کی بات حاصل کرنے میں تکبر نہ کرے۔ بیشک علم کے لیے تواضع اختیار کرنے میں ہی رفعت اور بلندی ہے۔ اور ذلالت غلبہ اور عزت کی طلب میں ہے۔ کتنے ہی لوگ ہونگے جو جملہ طور پر تو آپ سے علم میں کم ہوں گے، لیکن ان کے پاس کسی مسئلہ میں علم کی کوئی ایسی بات ہو گی جو آپ کے پاس نہیں ہو گی۔

(۴) معلم کا احترام وتوقیر: طالب کو چاہیے کہ استاد کے شایان شان اس کی عزت و احترام کرے۔ بیشک ناصح معلم کی منزلت باپ کی سی ہوتی ہے۔ جو نفس اور دل کو علم اور ایمان کی غذا دیتا ہے۔ اس کا حق یہ ہے کہ طالب علم استاد کی شان کے مطابق بغیر کسی مبالغہ ' غلو اور تقصیر کے اس کی توقیر واحترام کرے۔ اور استاد سے ایسا سوال پوچھے جس سے رہنمائی ملتی ہو۔ ایسا سوال نہ کرے جو سرکش اور چیلنج کرنے والے کی طرح ہو۔ اور استاد کی طرف اگر جفا اور سختی پائے تو اس پر صبر کرے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ بسا

[1]مسلم (۲۶۹۹) کتاب الذکر والدعاء ١١۔ باب فضل الإجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر۔

اوقات استاد بیرونی اسباب سے متأثر ہونے کی وجہ سے ایسے کر رہا ہو۔ اور اس حالت میں وہ شاگرد سے کوئی ایسی بات برداشت نہ کرے جو عام سکون اور راحت کی حالت برداشت کرتا ہے۔

(۵) مذاکرہ اور ضبط: طالب علم اس بات کی حرص کرے کہ وہ جو علم سیکھ رہا ہے ' اس کا مذاکرہ کرے ' اور اس علم کو ضبط کرے ' اور جو کچھ سیکھا ہے ' اسے محفوظ کرے۔ خواہ اسے اپنے سینے میں حفظ کر کے محفوظ کرے ' یا اسے لکھ کر محفوظ کرے۔ اس لیے کہ انسان نسیان کا پتلا ہے۔ اگر وہ اس بات کی حرص نہیں کریگا تو جو علم حاصل کیا ہے ' اسے بھلا دے اور ضائع کر دے گا۔ شاعر کہتا ہے:

""علم شکار ہے ' اور کتابت اس کے لیے قید ہے اپنے شکار کو مضبوط رسیوں سے باندھ لو۔ یہ حماقت ہے کہ تم ہرن کو شکار کرو اور پھر اسے خلائق میں آزاد گھومتی چھوڑ دو۔" اور چاہیے کہ اپنی کتابوں کو ضائع ہونے سے بچانے کا اہتمام کرے ' اور انہیں مختلف قسم کی آفات سے بچا کر رکھے۔ کیونکہ یہ اس کی زندگی کا ذخیرہ ہیں ' اور اس ضرورت کے وقت کا اس کا مرجع ہیں۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۴۶ ہجری

الآن انا فی الاعتکاف الیوم یوم الاربعاء وینزل المطر ومعی ثلاثۃ عشر نفراً آخر

الحمد للہ الذي بنعمته تتم الصالحات ' وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبه والتابعین لھم بإحسان مدی الأوقات ، آمین ۔ وللّٰہ الفضل و المنة، وله الحمد والشکر۔ ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم، وتب علینا إنک أنت التواب الرحیم ۔

ابو عطاء المنعم رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ

****

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

	مقدمہ	2
	اہل سنت کے ہاں ' سنت ' کی تعریف	3
	سنت کا اصطلاحی مفہوم	4
	متکلمین کے نزدیک سنت کا مفہوم	5
	محدثین کے ہاں سنت کی تعریف	7
	اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف۔۔۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال	8
	اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی ومفہوم اور شرعی حکم	10
	اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی درجہ بندی	15

	علم مصطلح کی تاریخ اور اس کا ارتقاء	32
	ہذا من انفع الکتب:	33
	مصطلح الحدیث، اس کا موضوع اور ثمرہ	34
	حدیث، خبر، اثر اور دیگر اصطلاحات	35
	سند	36
	المسنَد	37

	خبر کی متواتر اور آحاد کی طرف تقسیم	38
	اخبار الآحاد	40

	خبر غریب کی تقسیم	42
	مشقی سوالات	43
	اخبار آحاد کی مقبول اور مردود کی طرف تقسیم... محتف بالقرائن خبر واحد اور اس کی اقسام.	45
	خبر مقبول کی تقسیم صحیح اور حسن کی طرف	46
	صحیح کے مراتب	48
	بخاری و مسلم کی شرط۔۔۔۔۔ حسن لذاتہ	49
	حسن لغیرہ	50
	ترمذی وغیرہ کا حدیث حسن صحیح کہنا:	51

	مشقی سوالات	52
	امام ترمذی کا کسی حدیث کو حسن غریب کہنا	53
	ثقہ راوی کا اضافہ اور محفوظ و شاذ کی طرف خبر کی تقسیم	54
	خبر معروف و منکر	56
	متابعت اور اس کی اقسام	57
	متابع، شاہد اور اعتبار	58
	المحکم و مختلف الحدیث	59
	نسخ اور جس کے ذریعے اس کی پہچان ہوتی ہے	61

	مشقی سوالات	62
	خبر مردود اور اسے ردّ کرنے کے اسباب	63
	راوی کے گرنے کے اعتبار سے خبر مردود کی اقسام۔۔۔۔ مرسل کا حکم۔	65
	(۳) المعضل۔۔۔۔(۴) المنقطع۔۔۔۔۔۔۔(۵) المدلس (بفتح اللام):	67
	(۶) المرسل الخفی	68
	مشقی سوالات	69
	راوی میں طعن کے اسباب	70
	خبر موضوع اور اس کو روایت کرنے کا حکم۔۔۔۔۔۔احادیث گھڑنے کے اسباب	71

	(۲) حکام لوگوں کا قرب حاصل کرنا۔۔۔۔۔(۳) اہل اسلام پر دین کو بگاڑنا	73
	وضع کو پہچاننے کے ذرائع۔۔۔۔۔۔ تیسرا، چوتھا اور پانچواں سبب۔۔ فحش غلط الراوی، کثرت غفلت و فسق:	75
	چھٹا سبب وہم الراوی	76
	وہم الراوی:	77
	ساتواں سبب۔۔۔۔۔۔راوی کا ثقات کی مخالفت کرنا:	78
	ادراج کے اسباب، اس کا حکم	80
	ادراج کی معرفت چند امور سے ہوتی ہے:۔۔۔۔۔۔۔۔ (۲) خبر مقلوب	81
	(۳) المزید فی متصل الاسانید (یعنی متصل سند میں اضافہ کرنا)	82

	(۴) المضطرب (بکسر الراء)	83
	المصحف	85
	(۶) المحرّف	86
	مشقی سوالات	87
	آٹھواں سبب...... مجہول کی اقسام	89

	نواں سبب	90
	بدعت: .....دسواں سبب	91
	مرفوع، موقوف اور مقطوع کی طرف خبر کی تقسیم	92

	مرفوع اور اس کی اقسام:	93
	موقوف، صحابی اور جس کے ساتھ صحابیت کا علم ہوتا ہے	94
	مقطوع اور منقطع کے درمیان فرق	95
	العلو والنازل (عالی اور نازل سند)	96
	عالی اور نازل ہونے کے اعتبار سے خبر کی تقسیم	97
	انواع النسبی	98
	رِوایۃُالاقرانِ والمُدبج۔۔۔۔۔۔المدبج (دال مفتوحہ اور باء مشدد کے ساتھ) :	100
	مشقی سوالات	101

	اکابر کا اصاغر سے اور اصاغر کا اکابر سے روایت کرنا	102
	روایۃ الاکابر عن الاصاغر:۔۔۔۔۔روایۃ الاصاغر عن الاکابر:۔۔ السابق واللاحق۔	103
	المهمل	104
	مَنْ حدّثَ وَنَسِی	105
	مسلسل	106
	المتفق والمفترق، المؤتلف والمختلف، المتشابه	107
	تحملُ الحدیث واداءُہ۔۔۔ طرقُ التحمل وصیغ الاداء	109

	(۳) الاجازۃ	111

	(۴) المناولۃ	112
	(۵) المکاتبۃ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (۶)اَلاِعْلام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۷) الوصیہ	113
	(۸) الوجادۃ:۔۔۔۔۔۔۔۔مشقی سوالات	114
	الجرح والتعدیل۔۔۔۔۔۔۔۔۔(توثیق وتجریح کے مراتب)	116
	ثقاہت کے مراتب اوّل:	117
	مراتب الجرحِ	118
	مَعْرِفَۃُ الاَسْمَائِ وَالْکُنٰی وَالاَنْسَابِ وَالْاَلْقَابِ وَالْمَوَالِی	119
	انواع الولاءِ	124

	مشقی سوالات	125
	کِتَابَۃ الحدیثِ وعَرضُہ وإسماعُہ وَالرِّحْلَۃُ فِی طلبہِ	127
	التصنیف فی الحدیث	128
	انواع التصنیف	129
	(۷) المستدرکات۔۔۔۔۔۔۔۔۔(۸) المستخرجات	130
	آداب الشیخ والطالب	131
	صرف تلمیذ کے آداب	132
	خاتِمَۃٌ فی اَنَّ السُنَّۃَ حجۃٌ علی جمیعِ الاُمَّۃِ	133

	مشقی سوالات	135
	اصول تخریج	137
	کتبِ تخریج کا ذکر:	140
	تخریج لکھنے کے اصول:	144
	اصولِ تخریج و تحقیق پر کتب:	146
	چھ أمھات (کتب)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆ صحیح بخاری:	147
	☆ صحیح مسلم:	148
	☆سنن نسائی:	151

	امام نسائی رحمہ اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆سنن ابی داؤد:	152
	☆سنن ترمذی:	153
	☆سنن ابن ماجہ: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔☆مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ:	155
	عالم اور متعلّم کے آداب	158
	خاص معلم کے آداب۔۔۔۔۔۔۔۔متعلّم کے خاص آداب	160